اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد نمبر ۔۔۔ 34
شمارہ نمبر ۔۔۔ 11
ربیع الثانی 1420ھ
اگست 1999ء

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

اس شمارے کے مضامین

Sajjad Khan Computer Compositer

ماہنامہ الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان۔ فون نمبر: 630340 , 630435 -(0923)

ای میل نمبر: E-Mail : haqqania@psh.infolink.net.pk

سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ =/15 روپے سالانہ =/150 روپے، بیرون ملک 20$ امریکی ڈالر

پبلشر: مولانا سمیع الحق مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، منظور عام پریس پشاور

نقش آغاز

راشد الحق سمیع حقانی

اعلان واشنگٹن۔اور کارگل سے حکومت کی پسپائی

ع　　قومے و"خونے"فروختند چہ ارزاں فروختند

اسلامی حمیت اور قومی غیرت کو دفن کرنے 'پاکستانی غیرت مند قوم کو رسوا کرنے 'ایٹمی قوت پاکستان کو رسوا کرنے 'کشمیر کا سودا کرنے 'شہداء کے خون سے غداری اور اسامہ بن لادن کے سر کی قیمت وصول کرنے پر نہ صرف پاکستان بلکہ تمام عالم اسلام میں ان دنوں ماتم بپا ہے۔ مسئلہ کشمیر جو مجاہدین کی باون (۵۲) سالہ قربانیوں کے باعث بالآخر کارگل کی صورت میں ایک فلیش پوائنٹ بن چکا تھا۔ اور کارگل محاذ پر مجاہدین نے جس عظیم تاریخی شکست فاش سے بھارت کو محاذ جنگ پر دوچار کر دیا تھا۔ وزیراعظم پاکستان نے اس جیت کو مذاکراتی میز اور سفارتی محاذ پر شکست میں تبدیل کر دیا۔ معلوم نہیں کہ کل کا مؤرخ میاں نواز شریف کیلئے غداروں کے کونسے صیغے میں اس کا نام رکھے گا کیونکہ آج میر جعفر اور میر صادق کا گھناؤنا کردار میاں صاحب کے اس فعل کے سامنے بالکل ہیچ ہے۔ ملک و قوم اور عالم اسلام کا ہر فرد وزیراعظم کی اس ناعاقبت اندیشی پر نوحہ کناں ہے۔ سقوط مشرقی پاکستان کے بعد مسلم لیگی حکومت کی بدولت سقوط کشمیر عملاً ہو گیا ہے کیونکہ جب نواز شریف نے کلنٹن اور بھارت کے ساتھ خونی لکیر یعنی کنٹرول لائن کو مقدس اور مستقل مان لیا ہے تو وزیراعظم کا اب کشمیر کا پاکستان کے ساتھ الحاق کا نعرہ لگانا کونسی سیاست اور فراصت ہے۔ وزیراعظم نے جس طرح راتوں رات ملک و قوم 'پارلیمنٹ اور کشمیری مجاہدین کو اندھیرے میں رکھ کر کلنٹن کے در پر جبہ سائی کیلئے پرواز کی اور اس ایک "شرف ملاقات" کیلئے کشمیر کاز سے بھی ہاتھ دھو لیے۔ ہماری نظر میں اعلان واشنگٹن بھی ماضی کے معاہدہ تاشقند 'معاہدۂ شملہ اور اعلان لاہور جیسے بدنام زمانہ معاہدوں کی ایک اور کڑی ہے۔ یہ معاہدۂ بھی ایک حلقہ دام ہے۔ جس کے ذریعہ شاطر امریکی صیاد حکومت پاکستان اور کشمیری عوام کو دن بدن اس زنجیر میں کس رہا ہے۔ یہ تمام

ہتھکنڈے بھارت کے بچاؤ کیلئے ہیں لیکن پاکستان کے غیور عوام اور کشمیر کی مجاہد تنظیموں نے اس اعلان کو پر کاہ بھی نہیں سمجھا اور وہ مسلسل بھارت کے خلاف کشمیر میں مجاہدانہ سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ کارگل محاذ سے پسپائی چینی کی ملوں کے مالک اور بد قسمت ملک کے وزیر اعظم کی ترجیح تو ہو سکتی ہے لیکن ایک باحمیت مومن اور باعزت مسلمان قوم کی یہ شان نہیں کہ وہ دشمن کے آگے ہتھیار رکھدے یا اپنے لشکر کو یہ حکم دے کہ آپ ہتھیار ڈل دیں۔ عظیم فلسفی افلاطون نے آج سے ہزاروں سال پہلے لکھا تھا کہ کاروباری ذہن والا شخص جب کسی ملک کا سربراہ بن جائے تو یہ اس ملک کی سب سے بڑی بد قسمتی ہے۔ افلاطون کے اس قول کا مشاہدہ ہزاروں سال بعد آج ہم سب کے سامنے نواز شریف کی شکل میں موجود ہے۔ کہ وہ اپنے ذاتی اقتدار اور شخصی مفاد کیلئے ملک و ملت کو فروخت کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ نواز شریف جہاد کو اجتماعی خود کشی قرار دے رہے ہیں۔ دشمن کی للکار اور اسکے بار بار غیرت دلانے پر بھی یکطرفہ امن کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ انہیں اپنے اس "کارنامہ" (شکست) پر بڑا ناز ہے۔ اور اس کے مفاد پرست حواری عقل سے عاری وزراء، بے حمیت مشیر اور کرائے کے دانشور وزیر اعظم کو امن کا دیوتا قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ ملکی تاریخ کا سب سے بڑا جرم ہے۔ پاکستانی قوم اور مستقبل کا مؤرخ انہیں کبھی بھی معاف نہیں کریں گے۔ ملک و ملت نے سیاہ کو سفید ماننے سے علی الاعلان انکار کر دیا ہے۔ ہم یہاں وزیر اعظم سے پوچھتے ہیں کہ جب آپ میں اتنی سکت اور استقامت نہ تھی تو پھر آپ نے کارگل کا محاذ کیوں کھولا؟ پاکستانی فوج اور مجاہدین تو الحمد للہ صبح قیامت تک دین و ملک کی دشمن ہندو افواج سے لڑنے کیلئے سر بفلک چوٹیوں پر سربکف تھے۔ اور الحمد للہ انہوں نے عسکری اور فوجی میدان میں ان کو ایسی زبردست شکست فاش سے دوچار کیا کہ ہندوؤں کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔ اگر کارگل کو چھوڑنا ہی تھا تو اسے باعزت طریقے سے چند شرائط طے کرنے اور کشمیری عوام اور ملک و ملت کو اعتماد میں لے کر یہ قدم اٹھایا جاتا تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔ ہمیں ڈر ہے کہ اگر یونہی ملک و ملت کی تقدیر کے فیصلے رات کے اندھیرے میں چور اور لٹیرے حکمران کرتے رہے تو وطن عزیز پاکستان کا کیا بنے گا۔ کشمیر کی پالیسی میں تبدیلی اور اسکی آزاد حیثیت تسلیم کرنے کا عندیہ دینا اور وزیر اعظم کا

یہ کہنا کہ ہم اپنے ۵۲ سالہ موقف سے ہٹ کر بھی آگے جانے کیلئے تیار ہیں (جو کہ امریکہ کی عین منشا ہے)۔ اسی طرح امریکہ کے دباؤ پر افغانستان پر حملہ کرنے کیلئے پاکستان کی زمین اور اسکی حدود استعمال کرنے کی اجازت دینا اور ستمبر سے پہلے سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنا یہ ایسے متوقع جرائم ہیں کہ مسلم لیگ اور اسکی قیادت کو ملک و ملت کبھی بھی معاف نہیں کرے گی۔ ان جرائم کا بدلہ لینا کل کے اسلامی انقلاب کی پہلی ترجیح ہو گی۔ حیف کہ پاکستانی قوم بھی ایک اور یاسر عرفات جیسے غدار کو بر سر اقتدار لائی۔ جس نے محاذ کی فتح کو مذاکرات کی میز پر ہار دیا۔ اس لیے کہ نواز شریف کو اقتدار زیادہ عزیز ہے۔ اس سوداگر کو شہیدوں کا خون بیچنے پر انشاء اللہ قدرت کی طرف سے ضرور کڑی سزا ملے گی۔ کہ شہیدوں کا خون کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ وزیر اعظم ایک طرف ایٹمی دھماکے کرتے ہیں، یوم تکبیر مناتے ہیں، فتح و ظفر کے بڑے بڑے اپنی تصویروں والے سائن بورڈ لگاتے ہیں۔ اور علامہ اقبالؒ کے انقلابی اشعار پڑھتے ہیں۔ کہ

؎ اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی — جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

لیکن نواز شریف نے حمیت، شجاعت، غیرت، عزیمت اور شہادت کے برعکس گندم اور چینی کو فوقیت دی۔ شاید اس لیے کہ ع کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

اس نے شیر کی ایک دن کی بہادرانہ زندگی پر گیدڑ کی سو سالہ بزدلانہ زندگی کو ترجیح دی۔ اور اپنے طائر لاہوتی کے پر پرزے ایسے کاٹے کہ شاید ہی اب یہ پرواز کے قابل ہو سکے۔

جعفر از بنگال و صادق از دکن — ننگ ملت ننگ دیں ننگ وطن

ایں نوازے را ببیں از ملک پاک — کرد قومے را ذلیلے در زمن

افغانستان اور عالم اسلام کے عظیم ہیرو اسامہ بن لادن پر امریکی جارحیت کا خطرہ

امت مسلمہ ابھی کو سود کے بحران اور کشمیر میں حکومت پاکستان کی شکست کے زخم چاٹ رہی تھی کہ عالمی امن کے ٹھیکیدار امریکہ کی جانب سے ایک نئی آزمائش اور افتاد مسلمانوں پر مسلط

کی جا رہی ہے۔ کچھ عرصہ سے یہ خبر گرم ہے کہ امریکہ دوبارہ افغانستان پر اسامہ بن لادن کی آڑ میں بھرپور حملہ کرنے والا ہے۔ اس مقصد کیلئے اس کے تین بحری بیڑے گوادر میں لنگر انداز ہو گئے ہیں۔ اور کئی امریکی کمانڈوز خصوصاً ایف بی آئی اور سی آئی اے کے ایجنٹوں کے ذریعے آئندہ چند روز میں ایک بڑا خوفناک آپریشن شروع ہونے والا ہے۔ اور کئی ایجنٹ افغانستان میں داخل ہو چکے ہیں۔ اسی طرح امریکی حکومت نے چند روز قبل طالبان حکومت پر اقتصادی اور دیگر نوع کی پابندیاں بھی عائد کر دی ہیں۔ اور اب یہ کوشش زوروں پر ہے کہ حکومت پاکستان بھی امریکی دباؤ کے نتیجے میں طالبان پر ہر قسم کی تجارتی پابندیاں عائد کر دے۔ اس سلسلے میں زیادہ دباؤ سمندری تجارت پر ڈالا جا رہا ہے۔ کیونکہ افغانستان کی ۸۰ فیصد تجارت پاکستان کے راستے سے باہر کی دنیا کے ساتھ ہوتی ہے۔ امریکہ کو یہ جرأت نواز شریف کی حالیہ کارگل محاذ پر بزدلی کا مظاہرہ کرنے پر ہوئی ہے۔ کارگل پر امریکی دباؤ قبول کرنے کے بعد اب طالبان سے تعلقات ختم کرنے کیلئے کہا گیا ہے اس کے بعد ستمبر میں سی ٹی بی ٹی پر پاکستان سے دستخط کرائے جائینگے۔ پھر سب سے اہم مسئلہ دینی مدارس کے کردار کو کم کرنے کا ہے۔ امریکی صدر نے نواز شریف کو اسی لیے ملاقات سے نوازا کہ اس ملاقات میں عالم اسلام کے خلاف بڑی سازشیں تیار کی گئیں۔ اور جس میں مرکزی نکتہ اسامہ بن لادن کی شخصیت تھی۔ کہ حکومت پاکستان اس کو ہر حالت میں گرفتار کرنے میں مدد دے۔ اسامہ بن لادن عالم اسلام کا سرمایہ افتخار اور بیسویں صدی کا عظیم مجاہد اور ہیرو ہے۔ اس کا کوئی جرم اب تک امریکہ ثابت نہ کر سکا۔ بجز اس کے وہ صرف استعماری طاقتوں کا تسلط، سرزمین حجاز اور عالم اسلام پر نہیں چاہتا۔ کل تک افغانستان میں روس کے خلاف جدوجہد کرنے پر اسامہ بن لادن امریکہ کا منظور نظر تھا اور ایک عظیم مجاہد کے طور پر امریکہ اسے پیش کر رہا تھا۔ اس لیے کہ وہ روس جیسے استعمار کے خلاف جہاد میں مصروف تھا۔ اب اسی اصول اور اسی جذبہ کے تحت وہ امریکی سامراج کے خلاف نبرد آزما ہے۔ وہ صرف یہ کہتا ہے کہ سرزمین حجاز اور میرے ملک سعودی عرب سے امریکہ اور اسکے اتحادیوں کی فوج نکل جائے۔ اسامہ بن لادن نے کینیا اور تنزانیہ میں امریکی سفارتخانوں پر حملے نہیں کرائے تھے بلکہ یہ اسرائیل اور امریکہ نے مشترکہ طور مسلمانوں

کو بدنام کرنے کیلئے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے کرائے۔ تاکہ اس آڑ میں اس عظیم ہیرو کو ختم کیا جائے۔ برسوں بعد تو عالم اسلام کو ایک صحیح اور مخلص قیادت نصیب ہوئی ہے۔ اب وہ بھی ہم سے چھیننے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہم یہاں پر امریکہ اور برطانیہ سے کہتے ہیں کہ اگر وہ مسلمانوں کے ملی مجرم سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین اور جنرل مالک وغیرہ کو ہمارے حوالے نہیں کر سکتا ہے تو وہ کس اصول پر اپنا نامزد کردہ "ملزم" مسلمانوں سے طلب کر رہا ہے اور وہ بھی بزور شمشیر۔ محترم قارئین یہاں پر دو قیادتوں کا کردار دنیا کے سامنے واضح ہوا ہے۔ ایک میاں نواز شریف جو ایک بہت بڑے اسلامی ایٹمی ملک کے وزیراعظم ہیں جو صدر بل کلنٹن کی ایک جنبش ابرو پر ملک وملت اور اپنے ایمان تک کو تج دینے پر تیار ہیں۔ اور دوسرا کردار ایک لٹے پٹے ملک افغانستان کے فقیر منش بوریا نشین، غیرت وحمیت کے کوہ گراں ملا محمد عمر کا ہے جو آئے روز امریکہ کی سپر طاقت سمیت پورے عالم کفر کو للکارتا ہے۔ صدر کلنٹن کی تازہ اقتصادی پابندیوں کی ملا محمد عمر نے کوئی پروا نہیں کی اور اس نے کہا ہے کہ روٹی کا ایک ٹکڑا اور ایک گلاس پانی ہی ہماری کل متاع ہے۔ اس کے علاوہ امریکہ ہم پر کیا پابندیاں عائد کرے گا۔ ملا محمد عمر کی اس قلندرانہ جرأت پر ہندوستانی شاعر محمد عمر مست کا شعر یاد آرہا ہے کہ شاید اس نے اسی قلندر کیلئے یہ شعر کہا تھا کہ ؎

دنیا کی لذتوں سے غرض کیا فقیر کو ۔۔۔ نانِ جویں ہمارے لیے شیر مال ہے

اور میں کبھی بھی اپنے عظیم مجاہد بھائی کو امریکہ کے حوالے نہیں کروں گا۔ اسی کردار کے باعث صدر کلنٹن نے گذشتہ ہفتہ کانگریس کے اراکین سے کہا ہے کہ پوری دنیا میں امریکی سفارتکاروں کی راتوں کی نیند اڑ چکی ہے۔ مجھ اور ہیلری پر اسامہ بن لادن اور طالبان کا خوف دن رات سوار رہتا ہے۔ یہ ہے اس مرد صحرائی اور مرد کوہستانی کی وجاہت اور دبدبے کا عالم کہ آج دنیا کی سپر طاقت اس سے لرزاں اور ترساں ہے۔ جس طرح کہ ماضی میں قیصر اور کسریٰ کی سلطنتیں امیر المومنین حضرت عمرؓ کے خوف سے لرزہ براندام رہتی تھیں۔ ہم یہاں پر امریکہ اور نواز شریف پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اگر افغانستان اور اسامہ بن لادن پر حملہ ہوا تو اس کا جو بھی شدید رد عمل سامنے آیا ہم اس کی بھرپور سیاسی اور مذہبی انداز میں نہ صرف حمایت بلکہ صف اول میں موجود رہینگے۔ طالبان کی

اسلامی حکومت پر امریکہ اس لیے بھی ان دنوں حملہ کرنا چاہتا ہے کیونکہ وہ ان کے حلیف اور ایجنٹ مسعود اور شمالی اتحاد کے آخری سازشی گڑھ وادی پنجشیر پر کاری ضرب مومنانہ لگانا چاہتے ہیں۔ اگر مسعود کا لعنتی کردار افغانستان میں ختم ہو گیا تو پورا افغانستان امن و آشتی کا ایک جنت نظیر گہوارا بن جائے گا اور امریکہ کے تمام شیطانی منصوبے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائینگے۔ اسامہ بن لادن اور طالبان حزب اللہ کی جماعت میں سے ہیں کامیابی اور سرخروئی ہمیشہ اسی جماعت کے حصہ میں آئی ہے۔

"الاان حزب اللہ ہم المفلحون" اور ذلت و ناکامی حزب الشیطان کا مقدر ہے۔

ارادے جن کے پختہ ہو نظر جن کی خدا پر ہو تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آہ! حضرت مولانا عبداللہ کاکاخیلؒ کی جدائی

بر صغیر کے مشہور علمی اور تاریخی خانوادے کا آخری چراغ بھی گذشتہ ہفتہ باد فنا کی زد میں آکر ہمیشہ کیلئے بجھ گیا۔ ع اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخ زیبا لے کر

علم و دانش اور فکر و آگہی کے اس چراغ کا نام حضرت مولانا عبداللہ کاکاخیل رحمہ اللہ تھا۔ آپ کا خاندانی تعلق شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ کے اہم ترین اور معتمد شاگرد اور مخلص خادم اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گل رحمہ اللہ سے تھا۔ آپ انکے بھتیجے تھے اور دارالعلوم دیوبند کے مشہور اور ممتاز استاذ حضرت مولانا عبدالحق نافع گلؒ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ ان بڑی اور عظیم نسبتوں کے ساتھ ساتھ خود مولانا مرحومؒ بھی ایک گوہر یکتا تھے۔ آپ قدیم و جدید علوم سے نہ صرف آراستہ بلکہ ان میں ایک اتھارٹی سمجھے جاتے تھے۔ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی سے سند فراغت حاصل کی اور مدینہ یونیورسٹی سے بھی فیض یاب ہوئے ۔ اس کے علاوہ دیگر عصری علوم کی ڈگریاں انہوں نے اعلیٰ نمبرات کے ساتھ حاصل کیں۔ ابتدا ہی سے حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ کی خصوصی شفقتیں آپ کے شامل حال رہیں۔ اور آپکی زبردست علمی تربیت مولانا بنوری رحمہ اللہ کے طفیل ہوئی۔ مولانا بنوریؒ ان کی عربی دانی پر ہمیشہ فخر کرتے تھے۔

حضرت مولانا عبد الحق نافع ؒ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے عبد اللہؒ کی قربت پر خوشی حاصل ہوتی ہے۔ مرحومؒ نے درس و تدریس کے ساتھ عمر بھر رشتہ نبھائے رکھا۔ عرصہ سے اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کیلئے اپنی خدمات وقف کی ہوئی تھیں اور آجکل آپ یونیورسٹی کے ڈپٹی ریکٹر تھے۔ کئی ہزار طلباء کو آپ سے علمی فیض پہنچا۔ نائیجریا میں بھی پانچ برس تک یونیورسٹی میں تدریسی خدمات سر انجام دیں۔ مرحومؒ کو علامہ زاہد الکوثریؒ کے ساتھ انتہائی عقیدت اور محبت تھی۔ علامہ کوثریؒ کی کئی کتابوں کے متن آپ کو ازبر تھے۔

ماہنامہ الحق کیلئے اسکے ابتدائی برسوں میں باقاعدگی کے ساتھ متعدد علمی موضوعات پر مقالات اور مضامین لکھتے رہے۔ اور ایک دلچسپ سفر نامہ "چند ہفتے دیار عرب میں" ان کے قلم سے نکلا۔ مولانا مرحومؒ کا دوستانہ تعلق حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے ساتھ لازوال تھا۔ ان دونوں کے علمی و فکری اشتراک اور ذوق نظر کی جھلک ہمیں مولانا آزادؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن شیروانیؒ کی دوستی میں ملتی ہے۔ ان کے درجنوں مکاتیب اسکے شاہد ہیں۔ اس تعلق کا اب بہت کم حضرات کو علم ہو گا کہ مولانا مدظلہ کے چند گنے چنے دوستوں میں سے مولانا عبد اللہ کاکا خیلؒ تھے۔ لوگ انہیں یک جان و دو قالب سمجھتے۔ آپ دونوں بچپن کے جگری دوست تھے۔ اور انکے تیسرے ساتھی حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ اسلامیہ راولپنڈی (سابق منسٹر) تھے۔ ان تین حضرات کی دوستی ضرب المثل تھی۔ کبھی کبھی انکے گاؤں میاں گانو سیری نزد سخاکوٹ میں اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گل مرحومؒ کے ہاں حضرت مولانا یوسف بنوریؒ بھی تشریف لاتے۔ حضرت علامہ عبد الحق نافع ؒ بھی موجود ہوتے۔ ان اساطین ثلاثہ کی محفل میں مولانا عبد اللہ کاکا خیلؒ، مولانا قاری سعید الرحمان مدظلہ اور حضرت والد صاحب مدظلہ کی دوستی سے تینوں اکابر بے حد لطف اندوز ہوتے۔ مولانا بنوری مرحومؒ فرمایا کرتے تھے کہ تینوں مشہور عرب شاعر کے "ثلاث الاثافی" کے مصداق ہیں۔ افسوس کہ یہ تکون بھی ٹوٹ گئی کہ ع ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں زندگی کی کئی منازل ان حضرات نے ایک ساتھ طے کیں۔ افسوس کہ کواکب کی اس کہکشاں پر اجل کی نظر کیوں اتنی جلدی پڑ گئی۔ دیکھئے قلندر ساغر صدیقی نے ان اشعار میں کیا قیامت ڈھائی ہے۔

گل ہوئی شمعِ شبستاں چاند تارے سوگئے موت کے پہلو میں شام غم کے مارے سوگئے

جن کے دم سے بزم ساغر تھی حریف کہکشاں اے شب ہجراں کہاں وہ ماہ پارے سوگئے

مرحومؒ کی شخصیت میں انتہائی سادگی اور ملاحت اور دل آویزی موجود تھی۔ حُسن وجمال اور خوبصورتی کا ایک تراشہ ہوا پیکر تھے۔ آخری وقت میں بھی لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ موجود تھی۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیک بندوں کی پہچان ہے۔ ؎

نشان مرد مومن باتو گویم چو مرگ آید تبسم بر لب او

بلا کی گرمی اور سخت دھوپ میں جنازہ کے وقت بادل آسمان پر سایہ فگن ہوئے۔ جو کہ ایک بڑی بابرکت علامت ہے۔ آپؒ کی اس اچانک وفات کی طلاع اتنی اندوہناک تھی کہ والد ماجد اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے۔ واپسی میں شدید بخار نے آلیا اور آج پانچویں دن تک آپ صاحب فراش ہیں۔ جنازہ میں استاذ الحدیث مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب (جو ان کے خصوصی دوست تھے) اور قاری سعید الرحمان صاحب کو ساتھ لیے پہنچ گئے۔ تدفین کے بعد اپنے صدیق حمیم کی قبر پر حاضرین کے اصرار پر چند تعزیتی کلمات بھی لڑکھڑاہٹ سے بمشکل ادا کر سکے۔ ہم سب ساتھ تھے واپسی میں فرمایا کہ میرے سامنے متمم بن نویرہ اور ان کے بھائی مالک بن نویرہ کا منظر آیا اور جی چاہا کہ چیخ چیخ کر وہی مرثیہ دہراؤں جو متمم نے اپنے جگری دوست اور بھائی کے قبر پر کھڑے ہو کر کہا تھا کہ :

وکنا کندمانی جذیمة حقبة من الدهرحتی قیل لن یتصدعا

فلما تفرقنا کانی و مالکا بطول اجتماع لم نبت لیلة معا

مرحومؒ کی اچانک جدائی سے علمی دنیا کو بہت نقصان پہنچا ہے خصوصاً اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کو ایک بڑے خلا کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ مرحومؒ کے صاحبزادگان میں سے کوئی اپنے والد، دادا اور عظیم خاندانی بزرگ مجاہد مولانا عزیر گلؒ کی علمی اور دینی مسند کا صحیح جانشین بن سکے۔ اور وجعلها کلمة باقیةً فی عقبه کا مصداق بن سکے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اکیسویں صدی کے چیلنجز اور عالم اسلام

ماہنامہ الحق کی اشاعت خاص کے عنوانات

قارئین اور مضمون نگار حضرات مندرجہ عنوانات میں سے جس موضوع پر لکھنا چاہیں تو ادارہ "الحق" کو آگاہ کریں۔

اکیسویں صدی اور عالم اسلام

(۱) ـ ـ میں عالم اسلام کا کردار
(۲) ـ ـ کے تقاضوں سے کیا عالم اسلام لیس ہے؟
(۳) ـ ـ میں عالم اسلام عصر حاضر کا مقابلہ کر سکے گا؟
(۴) ـ ـ کیا اسلام کی صدی ثابت ہو گی؟
(۵) ـ ـ میں کیا مسلم اتحاد کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے گا؟
(۶) ـ ـ عالم اسلام، امریکہ اور مغرب کے تعلقات
(۷) ـ ـ اور ایٹمی پاکستان کا کردار
(۸) ـ ـ اور اقوام عالم کی تیاریاں
(۹) ـ ـ اور تحریک طالبان افغانستان
(۱۰) ـ ـ اور عالم اسلام کی اقتصادیات
(۱۱) ـ ـ میں عالم اسلام اور سائنس و ٹیکنالوجی
(۱۲) ـ ـ میں مسلم نوجوان کی ذمہ داریاں
(۱۳) ـ ـ میں آزادی قدس و فلسطین اور اسرائیل کے عزائم
(۱۴) ـ ـ اور تحریک آزادی کشمیر
(۱۵) ـ ـ پاک بھارت تعلقات کا جائزہ
(۱۶) ـ ـ میں اسلامی قیادت کا سنگین بحران
(۱۷) ـ ـ میں اسلامی جرائد، اخبارات یعنی دینی صحافت کیا کردار ادا کرینگے؟
(۱۸) ـ ـ میں علماء کا کیا کردار ہونا چاہیئے؟
(۱۹) ـ ـ میں دینی مدارس کے اہمیت وافادیت
(۲۰) ـ ـ میں کیا دینی مدارس اکیسویں صدی کے تقاضے پورے کر رہے ہیں؟
(۲۱) ـ ـ اور عربی، انگریزی زبانوں کی اہمیت
(۲۲) ـ ـ میں عالم اسلام حاکم یا ہمیشہ کی طرح محکوم
(۲۳) ـ ـ میں اردو زبان کا مقام و مرتبہ
(۲۴) ـ ـ کا ادب اور اس کے جدید تقاضے
(۲۵) ـ ـ میں جدید تعلیم کا حصول اور شرح خواندگی میں اضافہ ناگیز ہے
(۲۶) ـ ـ میں اسلام اور نیو ورلڈ آرڈر کا ٹکراؤ کیا متوقع ہے۔
(۲۷) ـ ـ میں ابھرنے والی بڑی طاقتوں کا

ایک جائزہ جائزہ

(۲۸) ـ ـ اور متحدہ یورپ یعنی یورو اور اسکے عزائم

(۲۹) ـ ـ اور تیسری جنگ عظیم کے ممکنہ خطرات

(۳۰) ـ ـ میں متوقع بڑی جغرافیائی' سیاسی' تمدنی تبدیلیاں

(۳۱) ـ ـ اور جہاد

(۳۲) ـ ـ اور مواصلات

(۳۳) ـ ـ میں عالم اسلام اور عالم نصرانیت کے تعلقات

(۳۴) ـ ـ میں کیا عالم اسلام کو نئی صلیبی جنگوں کا خطرہ درپیش ہے ؟

(۳۵) ـ ـ میں کیا بے حمیت مسلم حکمرانوں سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکے گا ؟

(۳۶) ـ ـ میں کیا مظلوم قوموں کی دادرسی کی جاسکے گی ؟

(۳۷) ـ ـ میں اقوام متحدہ کی حیثیت اور اسکے کردار کا تعین

(۳۸) ـ ـ میں امریکہ کا کردار

(۳۹) ـ ـ میں عالم اسلام کیلئے کمپیوٹر انٹرنیٹ اور جدید مواصلاتی ذرائع ابلاغ کا استعمال ناگزیر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بیسویں صدی ایک جائزہ

(۱) ـ ـ اور اسلامی تحریکات

(۲) ـ ـ میں عالم اسلام کا کردار

(۳) ـ ـ میں استعمار کے چنگل سے عالم اسلام کی آزادی

(۴) ـ ـ میں عالم اسلام کے اہداف

(۵) ـ ـ میں کیا وہ اہداف پورے ہوئے ؟

(۶) ـ ـ میں عالم اسلام کی اقتصادی صورتحا

(۷) ـ ـ کی ترقی میں عالم اسلام کا حصہ

(۸) ـ ـ اور اسلامی انقلابات

(۹) ـ ـ اور تحریک آزادی

(۱۰) ـ ـ اور جہاد افغانستان

(۱۱) ـ ـ اور دارالعلوم دیوبند کا کردار

(۱۲) ـ ـ اور دارالعلوم حقانیہ کا کردار

(۱۳) ـ ـ ندوۃ العلماء (لکھنؤ) کا کردار

(۱۴) ـ ـ اور اسلامی ادب

(۱۴) ـ ـ اور مسلم حکمران

(۱۵) ـ ـ اور تحریک پاکستان

(۱۶) ـ ـ عالم اسلام اور سائنس

(۱۷) ـ ـ اور عالم اسلام کی جہادی تحریکات

(۱۸) ـ ـ اور مشاہیر امت کے کارنامے

(۱۹) ـ ـ میں دینی صحافت کا کردار کیا رہا؟

(۲۰) ـ ـ اور تحریک طالبان افغانستان

درس ترمذی شریف

افادات : حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی

ضبط و ترتیب : مولانا عبدالقیوم حقانی

نظامِ اکل و شرب میں شریعت کی رہنمائی

امام ترمذی کی جامع السنن کے کتاب الاطعمہ کی روشنی میں

ثرید کی فضیلت' نبوت مردوں کی خصوصیت' خواتین اور رجال کا دائرہ کار' حضرت مریم اور حضرت آسیہ کا تذکرہ اور دیگر اہم علمی مباحث۔

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کے درس ترمذی شریف جلد ثانی کا سلسلہ "الحق" ہی چل رہا تھا جسے علمی اور تدریسی حلقوں میں بے حد پسند کیا گیا تھا مگر بیچ میں یہ اقساط جاری نہ رہ سکے جس پر ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔ اب انشاء اللہ ہر ماہ مولانا کے درسی افادات سے قارئین مستفید ہو سکیں گے۔ (ادارہ)

باب ماجاء فی فضل الثرید :"حدثنا محمد بن المثنی ثنا محمد بن جعفرثنا شعبة عن عمرو بن مرة عن مرة الهمدانی عن ابی موسیٰ الاشعری عن النبی صلی الله علیه وسلم ' قال کمل من الرجال کثیر ولم یکمل من النساء الامریم بنت عمران وأسية امرأة فرعون وفضل عائشة علی النساء کفضل الثریدعلیٰ سائرالطعام وفی الباب عن عائشة وانس هذاحدیث صحیح "

باب : ثرید کی فضیلت میں : ترجمہ : حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : مردوں میں سے بہت سے لوگ کامل گزرے ہیں لیکن عورتوں میں سے مریم بنت عمران' فرعون کی بیوی اسیہؓ اور عائشہؓ کے علاوہ کوئی کامل نہیں۔ اور عائشہؓ کی تمام عورتوں پر اس طرح فضیلت ہے جیسے ثرید کی تمام کھانوں پر۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس باب میں حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ سے بھی احادیث منقول ہیں۔ اس ترجمۃ الباب کے انعقاد سے مصنف کی غرض ثرید کی فضیلت بیان کرنا ہے۔ یوں تو کھانے اور طعام اپنے انواع اور اقسام کے لحاظ سے

مختلف اور بہت زیادہ ہیں مگر ثرید طبّی لحاظ سے' ذائقہ اور لذت کے لحاظ سے' سہولت اور آسانی کے لحاظ سے سب کھانوں سے فائق اور افضل ہے۔

ثرید کا لغوی اور اصطلاحی معنی : ثرید بمعنی مثرود کے ہے۔ثرد ضرب کے باب سے ہے بمعنی توڑنے کے خواہ گوشت کے شوربے میں توڑا جائے یا کسی اور سالن میں' ثرید دوسرے معنی میں خلط کرنے اور ملادینے کے بھی آتے ہیں جیسے ثرد کپڑے میں رنگ ملادیا۔روٹی کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے شوربے میں بھگو کر نرم کر کے کھائی جانے والی غذا کو ثرید کہتے ہیں۔

" وہو ان یثرد الخبز بمرق اللحلم وقدیکون معه اللحم "۔

ثرید کی فضیلت : اور اصل چیز گوشت کی یخنی ہوتی ہے جیسے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی گوشت پکائے تو اس میں شوربہ بنادیا کرے کہ آس پاس کسی پڑوسی اور محتاج کو بھی دیا جاسکے۔اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر گوشت کم ہو کسی کو اتنا نہ دیا جاسکے تو شوربہ بھی ایک گونہ گوشت ہی ہے وھواحداللحمین ۔اس سے قبل باب آکثارالمرقة میں اسکی تفصیل گذرچکی ہے۔ثرید کھلانا سخاوت کی علامت ہے۔مہمانی میں کنجوسی اور تنگی کرنا معیوب ہے۔کھانے کی بعض چیزیں لذیذ ہوتی ہیں مگر غذائیت سے خالی جیسے بینگن وغیرہ اور بعض میں لذت نہیں مگر غذائیت سے بھرپور ہوتی ہیں جیسے شلغم وغیرہ۔بعض میں لذت بھی اور غذائیت بھی ہوتی ہے جیسے ثرید کہ اس میں لذت بھی ہے اور غذائیت بھی۔زود ہضم بھی ہے اور آسان وییسر بھی۔اسلئے شارحین کہتے ہیں الثرید افضل طعام۔ابو داؤد میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے"قال کان احب الطعام الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الثرید من الخبزوالثریدمن الحیس "یعنی حضور اکرم ﷺ کے ہاں روٹی کا ثرید اور حیس (حلیم قسم کی چیزیں) کا ثرید زیادہ پسندیدہ کھانا تھا۔حیس کا ثرید اس کھانے کو کہتے ہیں جو چھوہارے گھی اور دہی کے بنے ہوئے پنیر کو ملا کر مالیدہ کی طرح بنالیا جائے۔

ثرید افضل الاطعمہ ہے :کفضل الثریدعلی سائرالطعام : سائر کا معنی بقیہ کے ہیں مگر توسعاً یہاں بمعنی جمیع طعام ہیں۔یہ بات کسی حد تک پہلے ہی ضمناً عرض کی جاچکی ہے اس جگہ بعض حضرات یہ شبہ کرتے ہیں کہ ثرید مشبہ بہ ہے جبکہ عام لوگوں میں وہ افضل نہیں ہے بلکہ اپنی اپنی

طبعی افتاد کے مطابق لوگوں کے ہاں اس سے بھی بہتر بہتر کھانے تیار کئے جاتے ہیں اور وہ انہیں افضل سمجھتے ہیں تو شارحین حدیث تخصیص ثرید کے بارے میں فرماتے ہیں کہ لذت اور ذائقہ میں اگرچہ دیگر اطعمہ اس سے بڑھ جائیں مگر منافع کے لحاظ سے ثرید بہر حال افضل ہے کہ اس کے کھانے میں مشقت نہیں وقت کم خرچ ہوتا ہے جلدی ہضم ہوتا ہے۔ غذائیت جو اس میں ہے وہ کسی بھی دوسرے طعام میں نہیں ہے۔ طبی نقطہ نظر سے حکماء کا اتفاق ہے کہ اگر ایک شخص محتاط طریقہ سے ثرید پر مداومت کرے تو بوڑھا بھی جوان ہو جائے جو تغذیۃ اور تمنیہ ثرید میں ہے وہ دنیا کے کسی طعام میں بھی نہیں ہے۔ منافع کے لحاظ سے ثرید افضل الاطعمہ ہے۔ ہاشم جو حضور اکرم ﷺ کے جد امجد ہیں کے حالات میں لکھا ہے کہ ہاشم ان کا لقب تھا ہاشم کا معنی توڑنے والا کہ وہ روٹی توڑ توڑ کر حاجیوں کو ہر سال ثرید کھلایا کرتے تھے ان کا ثرید مشہور تھا یہاں تک کہ وہ ثرید ہاشم کے نام سے مشہور ہو گیا اور کوئی کھانا ثرید ہاشم سے افضل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ

" وھو اول من ھشم الثرید للحجیج"

رجال میں ارباب فضل و کمال : "قال کمل من الرجال کثیر ولم یکمل من النساء الا مریم بنت عمران و آسیہ امرءۃ فرعون کمل میم پر تینوں اعراب آتے ہیں نصر کرم اور علم کے ابواب سے ہے ای صار کاملاً یابلغ مبلغ الکمال" من الرجال یعنی مردوں کی نوع میں ہر دور میں ہر زمانہ میں بڑے بڑے صاحب کمال پیدا ہوئے ہیں رسول بھی اور انبیاء بھی، خلفاء بھی اور علماء و اولیاء بھی، مجاہدین اور فاتحین و جرنیل بھی۔ مردوں میں ارباب علم و کمال تو بہت ہیں محدثین، مفسرین، علماء مشائخ، محققین، سائنسدان، سکالرز اور مصنفین وغیرہ۔ ایک دنیا بھری پڑی ہے۔ یہ سب اللہ کی دین ہے کہ اللہ پاک علم و فضل اور کمال کیلئے جسکو چاہتے ہیں چن لیتے ہیں کمالات سے نوازتے ہیں۔ مردوں کو اللہ نے خواتین پر یہ فضیلت اور فوقیت دی ہے کہ ان میں صاحب کمال اور ارباب فضل کی تعداد زیادہ ہے۔ جبکہ عورتوں میں باکمال خواتین بہت کم ہوتی ہیں اور عموماً مشاہدہ یہی ہے کہ کمال گویا رجال کے ساتھ مخصوص ہے جبکہ عورتوں کا دائرہ کار محدود ہونے کیوجہ سے انہیں کسب کمال کا موقعہ کم ملتا ہے۔

نبوت رجال کا خاصہ ہے : عورت نبی بن سکتی ہے یا نہیں اس پر علماء نے تفصیلی روشنی ڈالی

ہے۔ جمہور کی رائے یہ ہے کہ انبیاء کرامؑ اللہ تعالیٰ مردوں میں سے چنتے ہیں اس بارے میں صریح نصوص موجود ہیں۔ کہ مردوں میں نبی آئے گا خاتون نبی نہیں بن سکتی۔ نبوت ایک مقدس منصب ہے اس کے جو تقاضے ہیں طھارت پاکیزگی جرأت' بہادری' وحی' تبلیغ یہ سب مردوں کی خصوصیت کا تقاضا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا نبی سوتا بھی ہے تو دل بیدار رہتا ہے۔ تنام عینای ولا ینام قلبی عورت میں یہ صلاحیتیں نہیں ہیں۔ عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے چند مخصوص مقاصد کیلئے پیدا فرمایا ہے۔ پھر اس کے ساتھ چند لوازمات لگا دیے ہیں کبھی حیض ہے کبھی نفاس ہے۔ اعذار میں مبتلا رہتی ہے ادھر بچہ جنے گی اور ادھر وحی آئے گی بھلا دونوں کا اجتماع کیونکر ممکن ہو سکتا تھا دونوں کا اجتماع خلاف فطرت ہے۔ اسی طرح حکومت اور اقتدار کا مطالبہ عورت کی جانب سے کہ مجھے حکومت ملے تو یہ بھی فطرت کے خلاف جنگ ہے۔ عورتوں کی ذمہ داریوں کا دائرہ کار مخصوص اور محدود ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے خواتین کو نبوت کی ذمہ داری نہیں سونپی۔

مردوں اور خواتین میں فطری امتیاز : بہر حال بات یہ چل رہی تھی کہ خواتین میں بہت کم ایسی ہوتی ہیں جو باکمال ہوتی ہیں عورتیں مردوں کی طرح خود کو طلب علم کیلئے وقف نہیں کرا سکیں اور نہ ہی مردوں کی طرح وہ وقت دے سکتی ہیں۔ نکاح' حمل' ولادت' حیض' نفاس' رضاعت حضانت یہ سب مسائل عورتوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ مگر بایں ہمہ جن خواتین نے تحصیل علم کمال کی طرف توجہ کی ہے وہ بھی قابل قدر اور لائق تحسین ہیں۔ اس موضوع پر اسلامی تاریخ میں مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں کس قدر عظیم خواتین' مصنفات' فقیہات' مفسرات' مدرسات اور مبلغات گذری ہیں یہ بھی حضور اکرم ﷺ کا کمال ہے۔ ہمارے پیارے پیغمبر کا بڑا معجزہ علم ہے۔ آپ کی امت کی خصوصیت اور خاصیت بھی علم ہے اور یہ رسول اکرم ﷺ کا اعجاز ہے اور یہ اعجاز حضور اقدس ﷺ پر ختم نہیں ہو جاتا یہ اعجاز علم کی شکل میں قیامت تک امت محمدیہ پر حاوی اور جاری و ساری رہے گا اور یہ رسول اللہ ﷺ کی امت کا اختصاص ہے کہ اس میں ہزاروں ایسی خواتین گذری ہیں کہ جو علم کے بڑے بڑے خزانے اور معرفت کی مینار تھیں۔

حضرت مریمؑ اور حضرت آسیہؓ : حضور اقدس ﷺ نے امم سابقہ کی دو باکمال خواتین کا ذکر

فرمایا ہے۔ ایک مریمؑ بنت عمران اور دوسری آسیہؓ زوجہ فرعون۔ ان کا ایمان ویقین مضبوط اور مستحکم تھا۔ قرآن مجید میں بھی مختلف مقامات پر ان کا ذکر آیا ہے۔

کیا مریم اور آسیہ نبیہ تھیں؟: بعض شروحات حدیث میں بھی اور بعض علماء کرام نے بھی رائے ظاہر کی ہے کہ عورت نبی ہو سکتی ہے۔ اشعری علامہ ابن حزم وغیرہ کی رائے ہے کہ حضرت مریم اور حضرت آسیہ دونوں منصب نبوت پر فائز ہوئی تھیں جبکہ جمہور فرماتے ہیں کہ نبی مرد ہوتے ہیں کوئی عورت نبی نہیں بن سکتی۔ امام الحرمین نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے وہ حضرت مریم، آسیہ، ام موسیٰ سارہ اور ہاجرہ حضرت حواء کو بھی نبی نہیں مانتے بالخصوص مریم کے بارے میں تو وامہ صدیقہ آیا ہے۔ جو انکے نبوت کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ مذکورہ خواتین کے بارے میں قرآن وحدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ انکے پاس فرشتے وحی لے کر آتے تھے۔ مریم کے بارے میں تو موسیٰ، ادریس، اسماعیل، ابراہیم علیہم السلام کی طرح قرآن میں ہے۔ "واذکر فی الکتب ابراہیم" اور کہا گیا "وارسلنا الیہا روحنا الایة"۔ جیسے صریح آیات ذکر ہیں۔ بہر حال اس موضوع پر علامہ ابن حزم نے کتاب الفصل بین الملل والنحل میں بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس وحی کو قرآن نے انبیاء ورسل کیلئے مخصوص کیا ہے اس میں ایک حصہ بنی نوع انسانیت کے ارشاد وہدایت تعلیم امر ونواھی اور تکلیف بالاحکام کا ہے۔ دوسری قسم وحی کی کسی فرد کو بشارت، مشورہ، آنے والے کی واقعہ کا قبل از وقت اطلاع دینا یا خاص کسی فرد کو مخصوص حکم اور ہدایت دینا ہوتا ہے۔ تو پہلی وحی کو نبوت مع الرسالۃ کہا جائے گا۔ وہ بالاتفاق مردوں کے لئے خاص ہے ور اگر وحی الہی کی دوسری قسم ہے تو وہ بھی ابن حزم وغیرہ کے خیال میں نبوت ہی کی ایک قسم ہے تو حضرت مریم، سارہؓ، ام موسیٰ، آسیہ جیسے محترم خواتین پر اس کا اطلاق درست ہے۔ ایک تیسری رائے بھی ہے کہ وہ اس مسئلہ میں سکوت اور توقف کو ترجیح دیتے ہیں جیسے علامہ تقی الدین سبکی کی رائے ہے۔ بہر حال جمہور عورت کے نبی نہ ہوسکنے کے قائل ہیں ان کا استدلال اس آیت سے ہے "وما ارسلنا من قبلک الارجالا نوحی الیہم" یعنی ہم نے آپ سے پہلے مردوں ہی کو رسول بنایا ہے جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے۔ بعض حضرات

اس میں یہ خدشہ ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہاں یہ حصہ حقیقی نہ ہوبلکہ اضافی ہو اور مقصود یہ ہو کہ دیکھو! ہم نے جنس ملائکہ کو رسول بنا کر نہیں بھیجا' فرشتوں کو منصب نبوت نہیں دیابلکہ آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ پھر رجالاً کی تصریح یعنی مردوں کی تخصیص ان کی شرافت 'کثرت اور رجلیت کی وجہ سے کی گئی ہو انبیاء چونکہ کثرت سے مردوں میں آئے ہیں اور عورتیں اس درجہ کو نہیں پہنچی ہیں اسلئے فقط مردوں کے ذکر پر اکتفا کیا گیا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ عورت نبی نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ مستور رہتی ہے اور نبی کا اور سب کے سامنے ظاہر وعیاں ہونا ضروری ہے۔ ادعائے نبوت کیلئے بھی اور تبلیغ کیلئے بھی کہ وہ نمونہ بن سکے اور اسکی اقتداء کی جاسکے۔ نبی کو بسااوقات بہت بڑے دشمنوں اور لشکروں سے ٹکرانا ہوتا ہے جبکہ عورت نہ اسکی متحمل ہے نہ اسے لوگوں کے سامنے جانے میں اجازت ہے جو لوگ حضرت آسیہؓ اور حضرت مریمؑ کی نبوت کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ یہاں حدیث باب میں کمل کا لفظ وارد ہوا ہے اور بہت عورتیں کامل بھی ہوئی ہیں پس اگراس کمال سے نبوت مراد نہ لی جائے تو پھر اس تخصیص کی کیا وجہ ہوگی انکی فضیلت خاصہ کیا ہوگی۔ مگر دلیل یہ بھی ضعیف اور مخدوش ہے کیونکہ فضیلت خاصہ کیلئے یہ کیا ضروری ہے کہ انکی نبوت ہی کا اعتراف کیا جائے بلکہ کمال ولایت جو اعلیٰ درجے کی ہو اسی فضیلت خاصہ کا مصداق ہونے کیلئے کافی ہے ۔ مطلب یہ ہوگا کہ بہت سی عورتیں کامل فی الولایت ہوتی ہیں اور یہ اکمل فی الولایت تھیں۔ بعض حضرات یہ توجیہ کرتے ہیں کہ یہ ذکر ہے۔ زنان گذشتہ کا کہ جو عورتیں زمانہ گذشتہ میں کامل گذری ہیں ان میں یہ اکمل ہیں جبکہ اس عہد نبوت میں حضرت عائشہؓ افضل واکمل ہیں۔ خلاصہ یہ کہ فضل کلی کسی کو بھی حاصل نہیں ہے بلکہ ایک فضل جزئی میں کوئی افضل ہے اور دوسرے فضل جزئی میں کوئی دوسرا افضل ہے۔ کسی ایک کی فضیلت جزئیہ دوسری کی فضیلت جزئیہ کے ہرگز منافی نہیں ہے۔

تفضیل عائشہ علی سائر النساء : حضرت عائشہؓ کی فضیلت میں کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں۔ دیگر عورتوں پر عائشہؓ کی فضیلت میں علماء کا اختلاف ہے۔ آیا حضرت عائشہؓ کو فضیلت تمام عورتوں پر حاصل ہے یا کچھ مستثنیٰ ہیں اور یہ کہ حضرت عائشہؓ کو حضرت خدیجہؓ پر اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ پر بھی فضیلت حاصل ہے یا نہیں ؟ علماء میں بعض حضرات حضرت عائشہؓ کے بعض

حضرت خدیجہؓ کے اور بعض حضرت فاطمۃ الزھراءؓ کی افضلیت کے قائل ہیں کیونکہ حضرت مریمؑ کی فضیلت نص قطعی سے ثابت ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کے عہد میں حضرت فاطمۃ الزھراءؓ کو سیدۃ نساء اہل الجنۃ کہا گیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ تعمیم سے اتنی بھی وسعت مراد نہیں کہ قرون اولیٰ پر بھی فضیلت لازم آجائے مثلاً اگر کسی کو افضل الناس کہا جائے تو ناس سے اسکے ہم عصر مراد ہوں گے قرون ماضیہ کے لوگ تو مراد نہیں ہوں گے البتہ اگر حضرت مریمؑ و آسیہؓ پر حضرت عائشہؓ کی فضیلت ثابت بھی ہو جائے تو عقلاً و نقلاً یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے باقی خدیجہؓ، فاطمہؓ اور عائشہؓ کے جہات فضیلت مختلف ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کے ارشاد سے حضرت عائشہؓ کی علمی، فقہی فضیلت اور شرف محبوبیت کی طرف اشارہ ہے۔ تینوں خواتین جنتی ہیں اور ہر ایک کو ایک خاص خاص جہت سے ایسی فضیلت حاصل ہے کہ جو اس مخصوص جہت سے سب سے افضل ہو جاتی ہے۔ حضرت خدیجہؓ پہلی رفیقہ حیات اور خواتین میں پہلی مؤمنہ ہیں یہ ایسی فضیلت ہے جو کسی دوسری کو حاصل نہیں۔ حضرت فاطمہؓ حضور اقدس ﷺ کی لخت جگر اور سیدۃ نساء اہل الجنۃ ہیں یہ فضیلت ان ہی کے ساتھ خاص ہے مگر کمال علمی، فقہی عظمت اور تحمل علم کی جو فضیلت سیدہ عائشہؓ کو حاصل ہے وہ نہ تو حضرت خدیجہؓ کو حاصل ہے اور نہ فاطمۃ الزھراءؓ کو۔ تلقی وحی اور تلقی علم کا بڑا مقام ہے تلقی وحی اور تلقی علم ہزاروں بلکہ لاکھوں نیکیوں پر بھاری کام ہے۔ حضرت عائشہؓ ہزاروں رجال صحابہ کرامؓ پر علم کے لحاظ سے فائق ہیں۔ حدیثوں کا ایک معتدبہ حصہ ان سے منتقل ہوا ہے۔ جب حضورؐ سیدہ عائشہؓ کے پاس ہوتے تو وحی بارش کی طرح برستی تھی جیسے ایک ذہین طالب علم کلاس میں شریک ہو تو استاذ کو خود شرح صدر ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے بستر مبارک ہیں آپ پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔ حضرت خدیجہؓ کی فضیلت اپنی جگہ مسلّم مثلاً یہ کہ مخلوق ہیں بظاہر اسباب حضور اقدس ﷺ کا کوئی سہارا نہیں تھا۔ حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے حضور ﷺ کا سہارا بنیں "ووجدک عائلاً فاغنیٰ" حضرت فاطمہؓ کی اپنی فضیلت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے صلب سے ہیں۔ جزئیت اور بعضیت ایک مستقل شرف ہے جو سیدہ فاطمہؓ کو حاصل ہے مگر سیدہ عائشہؓ کی فضیلت، علم کا حصول و اشاعت اور وراثت نبوت کا تحمل ہے جس شرف سے بڑھ کر کوئی دوسرا شرف نہیں ہے۔

بحث ونظر
سلسلہ نمبر ۳

شیخ الحدیث مولانا لطافت الرحمٰن صاحب

اختلافِ مطالع پر غیر جمہوری رائے

مجلّہ "الحق" شمارہ ماہ دسمبر ۹۸ء میں محترم مفتی غلام قادر صاحب حقانی نے رویت ہلال کمیٹی پر یہ بحث چھیڑی ہے کہ رمضان وعیدین میں اختلاف مطالع کا اعتبار ہے یا نہیں؟ موصوف نے علمی فقہی لحاظ سے تو اچھی بحث کی ہے۔ عبارات اور حوالہ جات کا بھی اہتمام کیا ہے اور بتایا ہے کہ جمہور حنفیہ اور مالکیہ حنبلیہ کے نزدیک اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے اور یہ قول مفتی بہ ہے آگے مفتی رشید احمد صاحب محترم کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ شوافع کے سوا اور کسی مذہب میں اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے۔

میں نے کم وبیش چالیس سال قبل رویت ہلال کمیٹی کے مسئلہ پر عربی میں ایک کتاب لکھی تھی، اس وقت میں دارالعلوم ٹنڈوالہ یار میں تھا۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے کتاب کا نام "اشرف المقال فی مسئلۃ رویۃ الھلال" تجویز فرمایا اس کتاب میں میں نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے اور ائمہ اربعہ کی آراء وافکار کو جمع کیا ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار ضروری ہے جس طرح کہ مفتی صاحب نے علامہ کاسانی صاحب بدائع کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔"ھذا اذاکانت المسافة بين البلدين قريبه لاتختلف فيه المطالع واما اذا كانت بعيدة فيعتبرفی اهل بلدة مطالع بلدهم دون البلادالآخر"

بہر حال مسئلہ میں میرا مؤقف فقیہ اعظم صاحب بدائع ہی کا موقف ہے جسکو مفتی صاحب نے مذکورہ شمارہ "الحق" کے صفحہ ۵۰ پر نقل کیا ہے۔ دراصل بعض فقہاء کچھ لکیر کے فقیر ہوتے ہیں اور اپنے مزعوم موقف کے بارہ میں محسوسات ومشاہدات کا بھی انکار کر بیٹھتے ہیں مثلاً ماٰنحن فیہ کا یہ مسئلہ تو زمین وآسمان کی ساخت اور نظام شمسی وقمری کا مسئلہ ہے اور واقعہ یہ ہے کہ جب کرہ زمین کا محیط کم وبیش چوبیس ہزار میل ہے تواندریں حالات چاہے زمین متحرک ہو جبکہ جدید ذھن کا نظریہ ہے یا آسمان یعنی سورج حرکت میں ہو اور زمین اپنی ہی جگہ ہو جیسا کہ یہ پرانا نظریہ ہے جس کو مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی نے دس دلائل سے ثابت کیا ہے تو اگر سورج مغرب کو ایک گھنٹہ سفر

کرتا ہے تو اس کے نیچے ہزار میل کی مسافت کا آنا ضروری ہے گویا جب سورج دن کے بارہ بجے خط استواء پر ہو کر اکوڑہ خٹک کی سمت پر ہو تو چھ سات گھنٹہ مغرب کیطرف جانے کے بعد مغرب یعنی غروب شمس کا وقت ہوگا تو پھر اس حالت میں اکوڑہ خٹک کا مطلع شمس اور آگے بطور مثال ماسکوا اصطخر وغیرہ کا غروب شمس ایک وقت میں ہو سکتے ہیں؟ حاشاوکلا ہرگز نہیں ہو سکتے۔

پھر میری یہ عرضداشت کوئی تخمین نہیں ہے بلکہ کارخانہ عالم کے اس عظیم پرزے کے دوروں سے جو زمانہ بنتا ہے۔ لیل و نہار بنتے ہیں اور اس طرح سورج کے طلوع و غروب کے اختلاف کا تسلسل جاری و ساری ہے کیونکہ ع سکون محال ہے قدرت کے کارخانے میں

قرآن کریم کا ارشاد ہے "والشمس تجری لمستقرلها ذلک تقدیر العزیز العلیم" چنانچہ اختلاف مطالع کا نظریہ عین حقیقت اور مطابق شریعت ہے۔ میں تو ذاتی طور پر بعض فقہاء صاحبان کی نظریات تاویلات اور عبارات واشارات پڑھکر حیران ہوتا ہوں ورنہ خود علم فقہ تو کتاب وسنت کے بعد ایک عظیم الشان راہ نما ہے۔ صاحب شامی نے خوب کہا ہے کہ :

اذا ما اعتز ذو علم بعلمٍ فعلم الفقه اولی با عتزاز

فکم طیب یطیب ولا کمسکٍ وکم طیر یطیر ولا کباز

رہے فقہاء کرام تو ظاہر ہے کہ ان میں بہت فقیہ اور مصنفین فقہ ایسے ہوتے ہیں جو فقہاء کرام کیلئے بدنامی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

میرے کتب خانہ میں علم فقہ کا ایک فارسی فتاویٰ ہے "فتاویٰ برھنہ" دو ضخیم جلدوں میں ہے اس میں ایسی باتیں ہیں کہ آپ پڑھ کر حیران ہونگے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ: امام ابو حنیفہؒ نے پیروں کی انگلیاں کا خلال اوپر کیطرف سے کیا حالانکہ صحیح کیفیت خلال اصابع الرجلین نیچے کیطرف سے کرنا تھا اور جب امام صاحبؒ کو اپنی اس غلطی کا احساس ہوا تو بیس سال کی فرض نمازوں کا اعادہ کیا۔ نیز یہی فقیہ اعظم فرماتے ہیں کہ "امام ابو حنیفہؒ کے سامنے نماز کے دوران بڑا سانپ گزرنے لگا تو امامؒ نے جوتا اٹھا کر سانپ کو مار ابلکہ مارڈالا" فقیہ صاحب آگے فرماتے ہیں "وزنش کروند سیزدہ من بود" اب یہ بتایا جائے کہ امام رحمۃ اللہ علیہ کسی مسنون فعل کے خلال کی مقررہ کیفیت کے

بر خلاف کے ارتکاب مین بیس سال کی نمازوں کا اعادہ کر سکتے ہیں اور اس طرح امام اعظمؒ کا جو تا آج کا کلاشنکوف تھا جس سے امامؒ تیرہ من اژدھے کو نماز ہی کی رالت میں مار ڈالتے ہیں۔ نیز آپ دیکھیں ایک اور فقیہ صاحب شارح کنز صاحب جامع الرموز فرماتے ہیں کہ شیخ فانی کی عمر پچاس سالوں سے شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ اس طرح کی واہی تباہی باتوں کے سبب ملہم صاحب کبیری نے اس کو (قہستانی) کوہستانی کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ تو جاہل ہے۔ فقہ نہیں جانتا اور یہ کہتا ہے کہ اگر مقتدی لوگ دس افراد ہوں تو امام صاحب بیشک ان کیطرف رخ کر کے دعا کرے اور اگر دس افراد سے مقتدی کم ہیں تو امام قبلہ رخ ہو کر ہی دعا مانگے "۔ اس پر صاحب کبیری نے کہا ہے کہ ایک مومن کا احترام کعبۃ اللہ سے بھی زیادہ ہے اور امام اپنے ایک ماموم کو بھی رخ کر کے دعا مانگ لے گا کیونکہ امام کا قبلہ اور یمین وشمال تمام نماز کے بعد بدل جاتے ہیں نماز کے دوران کے بالکل بر عکس۔ غرض یہ کہ فقہاء کرام جن میں صاحب بدائع جیسے لوگ موجود ہیں وہ تو ماشاء اللہ صحیح راہنمائی کرتے ہیں " وماسوی اولیک فهم ہیچ " روزہ کے دوران انجکشن کے بارے میں فقہاء کا جو کلیہ ہے وہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بدائع ہی سے نقل کیا ہے کہ روزہ تو دخول من احد السبیلین سے ٹوٹ جاتا ہے جو سبیل معتاد ہیں جلد میں داخل کرنا غیر معتاد راستہ سے احد الجوفین میں دواء وغیرہ کا داخل ہونا مضطر نہیں ہے۔ پھر مفتی صاحب محترم نے اس سلسلہ میں مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے (علماء کا متفقہ فیصلہ) نقل کیا ہے، اس سے استدلال کرنا بھی عجیب وغریب ہے جب اس میں یہ لفظ بھی ہے کہ " حدود ولایت میں " جس کا صاف مقصد یہ ہے کہ خارج ولایت والوں کا مطلع اور ہے۔ اب یہ اختلاف مطالع ہے یا نہیں۔ " بینوا توجروا " خلاصہ یہ ہے کہ بلاد متباعدہ میں اختلاف مطالع کا ہونا اور اس کا ماننا فقیہ وعالم کیلئے بھی لازم ہے اور جو لوگ تمام بلاد ممالک کے مطالع ومغارب کو ایک قرار دیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں اگرچہ میں ان کو غلط کار بھی نہیں کہہ سکتا کیونکہ ؎　　خطائے بزرگان گرفتن خطاست

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جناب لیفٹننٹ کرنل (ر) محمد اعظم صاحب

اعلان واشنگٹن اور اس کے تباہ کن اثرات

اعلان واشنگٹن کے بعد اس کے حسن وقبح کے بارے میں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر اس تواتر سے لکھا اور کہا جارہا ہے کہ ایک باشعور قاری صرف اسقدر سمجھ سکا ہے کہ ہم ایک بار پھر اسی سوراخ سے ڈسے گئے ہیں جسکا تجربہ ہمیں دو تین بار پہلے بھی ہو چکا ہے۔ کشمیر کا مسئلہ اکتوبر 1962ء میں ہی چین، بھارت جنگ کے دوران حل ہو چکا ہوتا اگر امریکہ کے صدر جان کینیڈی بیچ میں پڑ کر صدر ایوب خان کو مجبور نہ کرتے کہ بھارت برے حال میں ہے اور پاکستان کی طرف سے کوئی فوجی کاروائی مناسب نہ ہو گی۔ اور ساتھ یہ وعدہ کہ جنگ کے بعد صدر امریکہ خود کشمیر کا مسئلہ حل کروانے میں مدد دیں گے۔ مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ اس کے بعد بھٹو، سورن سنگھ مذاکرات میں جو کچھ ہوا اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے مارشل چن ژی کی وہ بات آج تک نہیں بھول سکی جو انہوں نے اکتوبر 62ء کی چین بھارت جنگ کے بعد ایک شام لاہور جیم خانہ کی بار پر پاک فوج کے جونیئر افسروں سے باتیں کرتے ہوئے کہی تھی۔ وہ ان دنوں چو این لائی کے ساتھ پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے تھے۔ مارشل چن ژی کے الفاظ کچھ یوں تھے کہ تاریخ نے کشمیر حاصل کرنے کا ایک سنہری موقع آپ کو اکتوبر 1962ء میں دیا تھا جس کا فائدہ اٹھانے سے آپ قاصر رہے۔ ایسے مواقع قوموں کو صدیوں میں صرف ایک آدھ بار ہی ملتے ہیں اور وہ موقع آپ نے کھو دیا ہے۔ چن ژی کے یہ الفاظ کس قدر حقیقت پر مبنی تھے۔ وقت نے ثابت کر دیا ہے۔ 65ء کی جنگ جس میں ہمارا پلڑہ بھاری تھا مگر روس امریکہ گٹھ جوڑ کے نتیجے میں تاشقند کے مذاکرات کی میز پر یہ جنگ ہم نے ہار دی۔ اور کشمیر کے مسئلے کو بین الاقوامی سطح سے نیچے اتار کر اسے دو طرفہ مسئلہ بنا دیا۔ یہ کام ہم نے شملہ معاہدے میں بھی کیا۔ ہنری کسنجر اور رچرڈ نکسن کی تحریریں گواہ ہیں کہ پاکستان کو دولخت کرنے میں امریکی اسٹیبلشمنٹ کا کس قدر عمل دخل تھا۔ بلکہ روس اور امریکہ اس مسئلے پر مکمل طور پر ہم خیال تھے۔ چین نے اپنی مجبوری ظاہر کر کے مشرقی پاکستان کا مسئلہ سیاسی

بنیادوں پر حل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ جس پر ہم عمل نہ کر سکے۔ 65ء اور 71ء کی جنگوں کے دوران امریکہ نے پاکستان کی فوجی امداد بند کردی تھی اور 71ء کی جنگ کے دنوں میں امریکی بحری بیڑہ خلیج بنگال میں آگے پیچھے ہوتا رہا اور اس انتظار میں تھا کہ ڈھاکہ کا سقوط کب ہوتا ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔ مگر ہم دو نہیں کئی بار ڈسے جا چکے ہیں اور آئندہ بھی اسی طرح ڈسے جاتے رہیں گے چاہے وہ ستمبر میں سی ٹی بی ٹی پر دستخطوں کا معاملہ ہو یا اکتوبر کے بعد کشمیر سے متعلق کسی ممکنہ حل کی بات ہو۔ ہمارے حکمران چاہے وہ کسی بھی سیاسی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہوں۔ پچھلے چالیس سال سے امریکہ کی کاسہ لیسی ان کا مطمع نظر رہی ہے اور امریکہ کی خوشنودی ان کا حاصل زندگی۔ عوامی نمائندگی کا دعویٰ کرنے والے ہمارے حکمران شاید یہ نہیں جانتے کہ اگر وہ آج امریکہ سے تعلقات کے بارے میں رائے شماری کروا کے دیکھیں تو انہیں حیرت ہوگی کہ ملک کی پڑھی لکھی آبادی کا ۹۰ فیصد حصہ امریکہ کے خلاف ووٹ دے گا۔ ایران، عراق، لیبیا، سوڈان، شمالی کوریا وغیرہ امریکہ مخالف رویے کے باوجود نہ صرف دنیا کے نقشے موجود ہیں بلکہ اقوام عالم میں ایک باوقار مقام رکھتے ہیں۔ مگر ہم یہ مقام حاصل نہ کر سکے۔ باوجود اس کے کہ ہمارے مادی اور انسانی وسائل ان ممالک سے بدرجہا بہتر ہیں۔

کارگل کی دس ہفتے کی لڑائی ہم نے فوجی اور اخلاقی فتح کے باوجود ہار دی ہے۔ دنیا کی چوتھی بڑی فوج کو ان چند ہفتوں میں جو مار پڑی ہے اس نے ان کی سیاسی فوجی اور انتظامی لیڈر شپ کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ بھارتی فوج کی انسانی جانوں کا اتلاف 65ء اور 71ء کی جنگوں کی مجموعی تعداد سے کہیں زیادہ تھا۔ اور یہ ہماری عسکری اہلیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ بھارت میں بوکھلاہٹ کے اس عالم میں ہر کوئی اپنی اپنی بولی بول رہا تھا۔ واجپائی کچھ کہہ رہا تھا تو جارج فرنینڈس کچھ۔ بھارتی آرمی چیف اور ان کی فوجی قیادت اس نتیجے پر پہنچ چکی تھی کہ کارگل کی چوٹیاں خالی کرانے میں انہیں مہینوں لگ سکتے ہیں۔ انہیں کبھی مجاہدین کی تعداد سینکڑوں میں نظر آتی تھی اور کبھی ہزاروں میں۔ کارگل میں مرنے والے بھارتی فوجیوں کی تعداد سترہ سو کی حد سے بڑھ چکی تھی۔ اور ستر ہوائی جہازوں کا بے دریغ استعمال اور بوفرا اور دوسری تین سو توپوں کی گولہ باری سے تقریباً اٹھارہ ارب روپے کا اضافی

بوجھ آپریشن "وجے" کی وجہ سے بھارتی بجٹ پر پڑ چکا تھا۔ کہ اعلان واشنگٹن نے بھارت کو مزید بوجھ سے بچالیا۔ بھارت کا الیکٹرانک میڈیا اور ان کے اخبار جھوٹ بول بول کر ملک میں جنگی جنون پیدا کرتے رہے۔ اور دن رات اپنی فتوحات کی فرضی کہانیاں گھڑ گھڑ کر بھارتی عوام کو سناتے رہے۔ اور زندہ پاکستانی فوجی افسروں کی نماز جنازہ میں سجدے کر کر کے دنیا کو اپنی مذہبی رواداری اور عالی ظرفی کے مناظر دکھاتے رہے۔ مگر جھوٹ کے پاؤں کہاں ہوتے ہیں؟ بھارت نے دروغ گوئی کے وہ معیار قائم کئے کہ گوئیبلز کی روح تک عش عش کرا ٹھی ہوگی۔ یہ جھوٹ بھارت نے بین الاقوامی برادری تک اس فنکاری سے پہنچایا کہ ہم دنیا میں اکیلے ہو کر رہ گئے۔ ہر فورم پر پاکستان سے یہ ڈیمانڈ ہونے لگی کہ لائن آف کنٹرول کا تقدس بحال کیا جائے۔ گویا لائن آف کنٹرول متنازعہ علاقہ کی عارضی جنگ بندی لائن نہیں بلکہ ایک مسلمہ مستقل بین الاقوامی سرحد ہو۔ بھارت لائن آف کنٹرول کے احترام کا مسئلہ اس چالاکی سے سامنے لایا کہ مرکزی ایشو کشمیر بیک گراؤنڈ میں چلا گیا اور لائن آف کنٹرول کی اہمیت اجاگر ہوتی چلی گئی۔ یہ نقصان ہمیں پہلے سے ہوم ورک نہ کرنے اور سفارتی سطح پر مکمل ناکامی کے باعث ہوا۔ اور اس کی پوری ذمہ داری وزارت خارجہ پر عائد ہوتی ہے۔ ہمارا فارن آفس کوئی قابل ذکر کارگذاری نہ دکھا سکا۔ ہمارے سفارتکار حسب معمول ڈالر جمع کرنے اور اسی قسم کے دوسرے غیر سفارتی مشاغل میں مصروف رہے اور دنیا کو یہ باور کرانے میں ناکام رہے کہ ہم حق پر تھے۔ ہماری اسی کمزوری نے ہمیں 65ء کی جنگ میں نقصان پہنچایا تھا اور یہی کمزوری مشرقی پاکستان میں ہماری شکست کا باعث بنی۔

پڑھے لکھے طبقے کے ذہنوں میں اکثر یہ سوال اٹھتا ہے کہ کشمیر کے مجاہدین تو وادی کے اندر برسرپیکار تھے اور اپنا جہاد جاری رکھے ہوئے تھے ان کی تحریک میں کوئی جھول یا کسی کمزوری کے آثار نظر نہیں آرہے تھے تو پھر کارگل کا محاذ کھولنے کی کیا ضرورت تھی جس کی جنگ بندی کرانے کیلئے ہمارے وزیر اعظم کو صدر کلنٹن کی خدمت میں پیش ہونا پڑا۔ یہ درخواست تو بھارت کو کرنی چاہئیے تھی جنہیں مار پڑ رہی تھی اور جن کے نقصانات ناقابل برداشت ہوتے جارہے تھے۔ سن 48ء اور سن 65ء کی جنگ بندی کیلئے بھی تو بھارت ہی اقوام متحدہ سے ملتجی ہوا تھا۔ ہماری

حکومت کا یہ دعویٰ کہ ہم نے برصغیر کو ایٹمی جنگ سے بچالیا ہے درست نہیں۔ بھارت کے آرمی چیف کے اصرار کے باوجود کہ اسے سیز فائر لائن پر ایک اور محاذ کھولنے کی اجازت دی جائے تاکہ کارگل پر دباؤ کم کیا جاسکے۔ مگر بھارتی حکومت نے اس کی اجازت نہیں دی۔ اس تناظر میں بین الاقوامی سرحدوں پر فوج کشی کے ممکنات بہت کم تھے کہ بھارت اس کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ کھلی جنگ میں عین ممکن تھا کہ کشمیر بھارت کے ہاتھ سے نکل جاتا اور تقریباً وہی کہانی دہرادی جاتی جو مشرقی پاکستان کے سقوط کا باعث بن گئی تھی۔

پچھلی 54 سالہ عالمی تاریخ نے ثابت کردیا ہے کہ ایٹمی جنگ ہر فریق کے پاس ایٹمی قوت کی موجودگی کے باعث کبھی نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس جنگ کو روکنے والی طاقتیں زیادہ وسائل اور زیادہ ذرائع رکھتی ہیں۔ اور دنیا کے بارے میں پل پل کی خبریں ان کے سیٹلائٹ ان کو دیتے رہتے ہیں۔ ایک امریکن عسکری ادارہ پاک بھارت جنگی مشقوں کے بعد اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ روایتی جنگ میں شکست کی صورت میں پاکستان ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے میں پہل کرے گا۔ عسکری ادارے کی یہ کوئی بڑی دریافت نہیں تھی کیونکہ پاکستان جو بھارت کے مقابلہ میں ایک چھوٹا ملک ہے اپنی ملکی سالمیت اور بقا کیلئے کسی بھی حد تک جاسکتا ہے۔ پاکستان نے ایٹم بم شوکیس میں سجانے کیلئے نہیں بنایا سن 73ء کی عرب اسرائیل جنگ مین اسرائیل نے عربوں کے خلاف صرف ایٹمی دھمکی کے طفیل اپنی شکست کو فتح میں تبدیل کردیا تھا۔ اور چار عرب ملکوں کے خلاف ایٹم بم کے پھینکے جانے کے صرف 20 منٹ پہلے امریکہ کو اسرائیل کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا تھا۔ کیا ہم میں اتنی بھی اہلیت نہیں ہے۔ ہم تو بھارت کے خلاف کارگل سمیت ۴ جنگوں کا تجربہ اور نظریاتی اور عسکری لحاظ سے بہترین تربیت یافتہ فوج رکھتے ہیں جو پچھلے باون برس سے اس ملک کی بقا کی ضامن چلی آرہی ہے۔ ورنہ ہماری سیاسی حکومتوں اور نوکرشاہی نے تو اس ملک کو انتشار کے حوالے کرنے اور دنیا کے نقشے سے مٹادینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ ہم نے تمام تجربے کرلئے ہیں۔ اگر جمہوری نظام نافذ کرکے اپنے اوپر ایک ڈکٹیٹر ہی مسلط کرنا تھا تو ایوب خان یا ضیاء الحق کیا برا تھا۔ کم از کم ان کی حب الوطنی تو شک وشبے سے بالاتر تھی۔ اور دوسرے وہ ایسے ادارے قائم کرکے

ایسے کارہائے نمایاں کر گئے ہیں جو اس ملک کی شناخت اور اس کے افتخار کا باعث بنے۔

کارگل کا ڈراپ سین ہو چکا ہے۔ اس تمام مشق میں ہم نے کیا کھویا کیا پایا؟ نتیجہ کے طور پر صرف دو انتہائی نقطہ نظر سامنے آئے ہیں۔ حکومت کے نقطہ نظر سے ملک کو ایٹمی جنگ سے بچا لیا گیا ہے اور مسئلہ کشمیر کو انٹرنیشلائز کر دیا گیا ہے۔ مخالفین کا کہنا ہے کہ اگر ملک کو بچانا ہی تھا تو کارگل آپریشن شروع کیوں کیا گیا۔ مسئلہ کشمیر جو بین الاقوامی مسئلہ تھا ہم نے خود اسے دو فریقی مسئلہ بنایا اس میں کسی دوسرے ملک کا کوئی حصہ نہیں۔ کشمیری مجاہدین پچھلے دس سال سے اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ یہ جنگ ویٹ نام نے تیس سال تک لڑی۔ پاکستانی عوام کشمیریوں کے ساتھ جانی مالی ہر طرح کی معاونت کر رہے ہیں۔ اور ان کی جنگ میں افغان' عرب' سوڈانی اور کئی دوسرے ممالک کے مجاہدوں کے شانہ بشانہ بطور والنٹیر اپنے طور پر جہاد میں شریک ہیں۔ یہ مسئلہ آج نہیں تو کل بین الاقوامی فورم پر آجائے گا۔ اس کیلئے کارگل کی طرح کا آپریشن ضروری نہیں تھا۔ اور اگر مجاہدین نے یہ چوٹیاں قبضہ کر لی تھیں تو ان کو اپنی لڑائی لڑنے دیا جاتا۔ انہوں نے تو دراس کارگل کی بھارتی شہ رگ پر اپنے پاؤں رکھ دیئے تھے۔ تکلیف بھارت کو ہو رہی تھی اور وہ ہمت ہار بیٹھے تھے۔ سردیاں آنے دیتے جو ہوتا مئی سن 2000ء میں دیکھا جاتا۔ بھارت کی تقریباً 35 ہزار فوج گھیرے میں آرہی تھی جن کیلئے راشن' اسلحہ اور گولہ بارود پہنچانے کا کوئی متبادل راستہ نہیں تھا۔ بھارت بزور یہ چوٹیاں خالی کروانے سے قاصر تھا۔ وہ اپنے طور پر اپنا سر ان پہاڑوں سے ٹکرا ٹکرا کر بے سُدھ ہوتا جارہا تھا مگر اعلان واشنگٹن نے اس کا مسئلہ حل کر دیا۔ وہ چوٹیاں جو وہ اپنے طور پر حاصل کرنے کے قابل نہ تھا امریکہ بہادر نے اسے تحفتاً پیش کر دیں۔ جس کو اب وہ آپریشن وجے کی کامیابی کے طور پر میڈیا پر پیش کر رہا ہے۔

جمہوری طرز حکومت کو دنیا بھر میں اس لئے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ اس میں فرد واحد فیصلے نہیں کرتا بلکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق شورائیت کی بنیاد پر فیصلے کئے جاتے ہیں۔ فرد واحد عقل کل نہیں ہوتا۔ وہ اکیلا انسان غلطی کا مرتکب بھی ہو سکتا ہے۔ اس کو مجلس شوریٰ' قومی اسمبلی یا پارلیمنٹ کی سربراہی اس لئے دی جاتی ہے کہ وہ ان کو بھی مشوروں میں شامل

رکھے اور ان کی عقل وفہم اور سمجھ بوجھ سے استفادہ کرے۔ ورنہ آمریت اور جمہوریت میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ قومی ادارہ چاہے وہ صدر مملکت کا ہو' مقننہ کا ہو' انتظامیہ کا ہو' عدلیہ کا ہو یا دفاع کا ہو وہ اپنے اپنے شعبوں کے ماہر ہیں۔ انہیں آزادی سے اپنا کام کرنے دیا جائے۔ تو اس سے توازن قائم رہتا ہے۔ انہیں بے دست وپانہ کیا جائے۔ ورنہ چیک اور بیلنس کی عدم موجودگی میں معاشرے پر تباہ کن اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔ جمہوری آمریت ڈکٹیٹر شپ سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ مشورہ سے کام کرنا اللہ کو پسند ہے۔ چاہے وہ دین کا ہو یا دنیا کا۔ نبی کریم ﷺ مہمات امور میں برابر صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرماتے تھے اور صحابہ کرامؓ آپس میں مشورہ کرتے تھے۔ حروب وغیرہ کے متعلق بھی اور بعض مسائل اور احکام کی نسبت بھی بلکہ خلافت راشدہؓ کی بنیاد ہی شوریٰ پر قائم تھی۔ آئیں اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور دیکھیں کہ ہمارا سربراہ حکومت اسوہ رسول اللہ ﷺ پر کس حد تک کاربند ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

جناب مفتی احتشام الحق قاسمی صاحب
ریسرچ اسکالر شعبہ عربی (اے ایم یو) علی گڑھ (انڈیا)

خطبات و مواعظ تھانویؒ کا عوام و خواص کی اصلاح میں حصہ

سر زمین ہندوستان میں دیوبند کا علاقہ اس اعتبار سے ممتاز ہے کہ اس نے خاص طور پر ہندوستان کو اور بالعموم سارے عالم کو کثیر تعداد میں بلند پایہ یگانہ ء روزگار علمی اور اصلاحی شخصیات فراہم کیں۔ جنہوں نے تدریس و تعلیم' وعظ و خطابت' تصنیف و تالیف اور اصلاح معاشرہ کے معاملہ میں بے پایاں محنتوں اور اخلاص کا ایسا زبردست نمونہ پیش کیا کہ سارا عالم ان کی محنتوں اور خلوص کا اعتراف کرتا ہے۔

"دیوبند" کی تیار کردہ حیرت انگیز علمی صلاحیتوں کی مالک اور اپنے سینہ میں قوم کیلئے بے لوثی و اخلاص کا سمندر رکھنے والی شخصیتوں میں مولانا اشرف علی تھانویؒ (م : ۱۹۴۳ء / ۱۳۶۲ھ) کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ وہ ایک ممتاز عالم دین' بلند پایہ بزرگ' حق گو و بیباک صوفی اور پر نویس مصنف تھے۔ انہوں نے اپنے پیچھے تفسیر' حدیث' منطق' عقائد' علم کلام اور تصوف میں ایک ہزار سے زائد تصانیف چھوڑیں جن میں سے کچھ صرف عوام کی اصلاح کیلئے لکھی گئیں تھیں جو آج بھی بے حد مقبول و متداول ہیں۔ علامہ تھانویؒ نے جہاں عوام و خواص کی اصلاح کیلئے تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف سے کام لیا وہیں انہوں نے وعظ و خطابت کو بھی خوبصورت انداز میں ذریعہ اصلاح بنایا۔ خطابت و تقریر کی اہمیت اور عوام و خواص کی اصلاح میں اس کے زبردست کردار کو ہر صاحب فہم بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ اسلام سے قبل عرب جب جہالت کی زندگی گزار رہے تھے۔ تہذیب و تمدن سے کوسوں دور تھے۔ تب بھی ان کے پاس خطابت کو اتنی زیادہ اہمیت حاصل تھی کہ ان کے قبیلوں میں خطیب کے ابھرنے پر خوشیاں منائی جاتیں۔ مسرت و فخر محسوس کیا جاتا' پھر مسلمانوں نے اس فن کو اوج کمال تک پہنچایا۔ چنانچہ عہد نبوی' عہد خلفاء راشدین پھر دور بنی

امیہ اور اس کے بعد عباسی دور میں بھی ہم کو مستقل طور پر شعلہ بیاں، شیریں دہن اور فصاحت وبلاغت کے ماہر زبردست خطباء وواعظین کی ایک بڑی تعداد ملتی ہے جن میں سے بعضوں نے تو اس فن ہی کی مہارت کی بناء پر بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں اور بہت سے نازک مسائل کو حیرت انگیز طور پر سلجھایا۔ فن خطابت دیگر فنون کی بہ نسبت زیادہ اہم اور نازک ہوتا ہے کہ اس کی تاثیر فوراً شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر مقرر وواعظ مثبت طرز فکر کا حامل ہو، مخلص ہو تو اس کے مثبت اور اچھے اثرات نمایاں ہوتے ہیں اور اگر وہ منفی ذہنیت کا حامل اور بد طینت ہو تو اس کا فن خطابت جو بھی غضب ڈھائے اور جو بھی تماشے دکھائے وہ کم ہے۔ اس فن کی اہمیت اور نزاکت دونوں کو علماء دیوبند نے سمجھا اور محسوس کیا۔ چنانچہ گذشتہ زمانے اور بہت حد تک اب بھی دارالعلوم دیوبند سے تیار ہو کر جو افراد نکلتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ علوم دینیہ اسلامیہ میں مہارت رکھتے ہیں بلکہ بہت حد تک خطیبانہ صلاحیتوں کے بھی حامل ہوتے ہیں۔ مادر علمی دارالعلوم دیوبند ہی کی تیار شدہ شخصیت مولانا اشرف علی تھانویؒ دیگر علمی صلاحیتوں کے ساتھ زبردست خطیبانہ صلاحیت کے بھی حامل تھے۔ انکی تقاریر ایمان واخلاص، اسلامی حمیت اور معنویت سے بھرپور ہوتی تھیں۔ ان میں بے جاجوش وخروش بالکل نہ ہوتا۔ زبان وبیان پر شکوہ تھا۔ چونکہ زیادہ تر مخاطب علماء وخواص ہی ہوتے تھے اس لیے انکی تقاریر میں خالص علمی اور تحقیقی باتیں کافی تعداد میں ملتی ہیں۔ مزاح وظرافت کا عنصر اور دلچسپ واقعات بھی جسکی بناء پر سامعین ان کی طویل تقاریر کے دوران اکتاہٹ کا شکار نہ ہوتے۔ ہم یہاں پر مختلف موضوعات کے تحت ان کے خطبات کا جائزہ لیں گے اور اس بات کا اندازہ کریں گے کہ ان کے خطبات نے عوام وخواص دونوں کی اصلاح میں کس حد تک حصہ لیا اور یہ کہ ان کی تقاریر آج کے زمانے میں کیا اور کس قسم کی اہمیت رکھتی ہیں۔

<u>تعلیم نسواں</u> : ہمارے معاشرے کی یہ تلخ حقیقت ہے کہ اس میں جدید تعلیم وتربیت کا جو نصاب اور نظام ہے وہ خالصتاً مادہ پرستی پر مبنی ہے اس کو سیکھنے والے سکھانے والے سب کے سب مادہ پرستانہ ذہنیت کے حامل ہوتے ہیں۔ جب عصری تعلیم کے ادارے قائم کیئے جاتے ہیں تو اس کے پیچھے بہت کم یہ مقصد کارفرما ہوتا ہے کہ اس سے سماج میں تعلیم یافتہ اور آئیڈیل قسم کے انسان پیدا

کئے جائیں جو سماج کیلئے مفید اور معاون ثابت ہوں بلکہ زیادہ تر یہ مقصد پوشیدہ 'بلکہ عیاں ہوتا ہے کہ اس سے کتنا فائدہ ہوگا' کس کورس میں کتنا ڈونیشن (Donation) مل سکتا ہے 'کس کورس کی زیادہ طلب اور ڈیمانڈ (Demand) ہے۔ مارکیٹ میں اس کی کتنی مانگ (Value) ہے ؟۔ تعلیم گاہیں بجائے انسانی 'اخلاقی اور اصلاحی اقدار کے مراکز بننے کے تجارت گاہیں بن چکی ہیں۔ نتیجتاً اس سے تیار ہونے والے اکثر افراد مادہ پرستانہ ذہنیت کے حامل ہوتے ہیں اور ان کی قائم کی ہوئی امیدیں پوری نہ ہونے کی صورت میں مایوسی وذہنی کرب انکا مقدر ہو چکا ہوتا ہے اور اس مادہ پرستی کے ماحول کا پروردہ انسان بہت کچھ حاصل کرنے کے باوجود حرص وہوس میں مبتلا ہو کر موجودہ خوشیوں اور سکون کو بھی خیرباد کہہ کر مزید کی تلاش میں آگے بڑھتے ہوئے جائز اور ناجائز کی تمیز کے بغیر کئی لوگوں کے جذبات کا خون کرتے ہوئے ناآسودگی ہی کے عالم میں قبر کے گڑھے تک پہنچ جاتا ہے۔ علامہ تھانویؒ کا کہنا تھا کہ کم از کم عورتوں کو اس مادہ پرستی کی تعلیم سے دور رہنا چاہئیے۔ اور اس کے نعم البدل یعنی دینی تعلیم سے آراستہ ہونا چاہیئے تاکہ اپنے خاندانوں میں سکون اور اطمینان کا ماحول قائم کیا جاسکے۔ اور ان کا دعویٰ تھا کہ دنیادی تعلیم حاصل کرنے والی لڑکیوں کی بہ نسبت دینی تعلیم سے آراستہ لڑکیاں زیادہ سمجھ دار اور باسلیقہ ہوتی ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ماں باپ اور شوہروں کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے کہ ان ہی کی کوتاہیوں سے عورتیں دینی تعلیم سے محروم ہیں۔ فرماتے ہیں :" عورتوں کے بارے میں اول توباپ کے ذمہ فرض ہے کہ ان کو دین سے باخبر کرے اگر وہ جاہل رکھے تو شوہر کے ذمہ فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کو تعلیم دے۔ بتلایئے اس فرض کو کتنے شوہر ادا کرتے ہیں ؟۔ پھر شکایت کی جاتی ہے کہ عورتیں جاہل ہیں۔ اے صاحب! تم نے خود ان کو جاہل رکھا ہے اگر تم ان کو تعلیم دیتے تو وہ کیوں جاہل رہتیں اور اگر کسی کو تعلیم نسواں کا اہتمام بھی ہوا تو وہ ان کو انگریزی کی تعلیم دیتے ہیں...... میں بقسم کہتا ہوں کہ عورتوں کو دین کی تعلیم دے کر دیکھو کہ اس سے ان میں عقل وفہم وسلیقہ وانتظام دنیا کا بھی کس قدر پیدا ہوتا ہے جن عورتوں کو دین کی تعلیم حاصل ہے۔ عقل وفہم میں ان کا مقابلہ وہ عورتیں کبھی نہیں کرسکتیں جو "ایم اے 'میمیں" ہورہی ہیں۔ ہاں بے حیائی میں وہ ان سے ضرور بڑھ جائیں گی اور باتیں بنانے

میں بھی انگریزی پڑھنے والیاں شائد بڑھ جائیں مگر عقل کی بات دیندار عورتوں ہی کی زبان سے زیادہ نکلے گی اور تعلیم دین کی آسان ترکیب یہ ہے کہ عورتیں لکھ پڑھ نہ سکیں تو انکو روزانہ دو چار مسئلے ان کی ضرورت کے بتلادیا کریں اور کوئی کتاب عقائد کی اور مواعظ و نصائح کی اور حکایات صلحاء کی ان کو سنادیا کریں, انشاء اللہ چند روز میں بدوں پڑھے لکھے ہی وہ تعلیم یافتہ ہو جائیں گی"(۱)

غیر شرعی اور حرام نوکریوں کے مسئلہ کا حل : ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں پر کئی مذاہب کے پیرو کار بستے ہیں۔ جسکی وجہ سے ہم ہندوستانی مسلمانوں کو بہت سی ایسی باتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جنکی دین اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، اگر ان کا سختی اور تشدد کے ساتھ بائیکاٹ کیا جائے تو ہماری زندگی دوبھر ہو جائیگی ان معاملات میں سے ایک مسئلہ غیر شرعی ملازمت کا بھی ہے کہ اگر کوئی آدمی ایسی ملازمت پر ہو جو شرع کی رو سے غلط اور ناجائز ہے جیسے سودی بنکوں کی ملازمت وغیرہ تو ایسا آدمی کیا کرے ؟ اگر ملازمت چھوڑتا ہے تو زندگی کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں سخت دشواریوں کا اندیشہ ہے اور اگر نہیں چھوڑتا تو ایک حرام کام کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ تھانویؒ کا خیال ہے کہ وہ ملازمت نہ چھوڑے، البتہ جائز اور باوقار ذریعہ معاش کی تلاش کرتا رہے۔ اگر مل جائے تو پھر اس ملازمت کو چھوڑ دے ورنہ نہیں چنانچہ فرماتے ہیں :"میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر کوئی نوکری ایسی بھی ہو کہ نامشروع ہو اور مشروع نہ ملتی ہو تو نہ چھوڑو، ہاں اپنے کو گنہگار سمجھو۔ اگر کوئی کہے کہ امر نامشروع کے چھوڑنے سے منع کرتے ہیں تو صاحبو! ہم نامشروع کے چھوڑنے سے منع نہیں کرتے بلکہ ایک نامشروع کو سپر بناتے ہیں بہت سے نامشروع کیلئے یعنی اس وقت اگر چھوڑے گا نہ معلوم کتنے معاصی میں مبتلا ہو گا کہیں چوری کرے گا، جوا کھیلے گا، جھوٹی گواہی دیگا، لوگوں کا قرض لے لے کر مارے گا اور نہ معلوم کیا کیا آفتیں کرے گا۔ پھر جب آگے بڑھے گا تو یہ خیال ہو گا کہ اے نفس تو اس قدر معاصی میں مبتلا ہے تیری نجات کیا ہو گی بس جب نجات نہ ہو گی تو الگ کرو سارا جھگڑا اور خوب جی کھول کے جو کچھ ہو سکے کر لو۔ اے لیجئے! ایک نامشروع کے ترک سے کفر کی حد تک پہنچ گیا۔ اب بتائیے کہ ایک نامشروع میں مبتلا ہو کر مسلمان رہے یا یہ اچھا ہے کہ ایک نامشروع کو چھوڑ کر بہت سے نامشروع میں بھی مبتلا ہو اور پھر مسلمان بھی نہ رہے ؟(۲)۔

<u>بعض دینی کام بھی شیطان کے بہکاوے کا نتیجہ ہوتے ہیں</u> : قرآن کریم میں انسانوں کا سب سے بڑا دشمن شیطان کو قرار دیا گیا ہے۔ یہ ملعون ہر انسان کے ساتھ مستقل طور پر لگا رہتا ہے کہ کسی طرح اس کو گناہوں کی دلدل میں گلے گلے تک اتار دے۔ جتنی نیک اور پارسا شخصیات ہوتی ہیں ان کا شیطان اسی حساب سے زیادہ شیطانی صلاحیتوں کا حامل ہوتا ہے اور ان پر کسی طرح بھی بس نہ چلے تو دینی رنگ اور مذہبی اندازہی میں ان کو بہکانے کی کوشش کرتا ہے وہ اس طرح کہ آدمی سمجھتا ہے میں نیک کام کر رہا ہوں اور ہوتا ہے وہ شیطان کا مکر تاکہ وہ شخص دیگر اہم کاموں سے ہٹ جائے بالکل اسی طرح جیسے ہم ایسے بچہ کو غبارہ دے کر بہلاتے ہیں جو سو کا نوٹ مانگنے کی ضد کر رہا ہو۔ فرمان تھانویؒ ہے :"بعض لوگوں پر حج فرض نہیں ہوتا اور ان کو حج کی ہوس ہوتی ہے اس میں بھی نفس و شیطان کی یہ تسویلیں (وسوسہ اندازی) ہوتی ہے کہ ایک نفل کی تحصیل میں بہت سے فرائض برباد ہوتے ہیں کیونکہ بہت لوگ حج کے سفر میں نمازیں چھوڑ بیٹھتے ہیں اور رفقاء سے جنگ وجدال اور سب وشتم میں مبتلا ہوتے ہیں اور بعضے اس لئے حج کرتے ہیں کہ حاجی صاحب بن جائیں گے لوگ تعظیم سے پیش آئیں گے۔ ایسے ہی لوگوں کیلئے حضرت مسعود فرماتے ہیں :۔

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید　　معشوق در اینجاست بیائید بیائید

یعنی　اے قوم حج میں گئی ہوئی تم کہاں ہو کہاں　　معشوق تو یہاں ہے آؤ یہاں آؤ

یعنی محبوب حقیقی کی رضا حالات خاصہ میں وطن رہنے میں ہے۔ اس لئے کہ حج تم پر فرض نہیں ہے اور حج نفل ادا کرنے میں بہت سے واجبات و فرائض ترک ہوتے ہیں۔ غرض شیطان ہر شخص کو اس کے مذاق کے موافق دھوکہ دیتا ہے (۳)۔ اسی طرح علامہ تھانویؒ کہتے تھے کہ اگر کسی کے دل میں یہ خیال آئے کہ جو دینی کام ہم تنخواہ لے کر کر رہے ہیں اس کو بغیر تنخواہ کے کریں گے تو سمجھ لو کہ یہ شیطان کا وسوسہ ہے اس لئے کہ اس طرح تنخواہ چھوڑنے کے بعد آہستہ آہستہ پابندی ختم ہوگی اور پھر ساری ذمہ داری بھی ختم۔

<u>غصے کے نقصانات سے بچنے کا نسخہ</u> : غصہ انسانی فطرت کی ایک زبردست کمزوری ہے اور شیطان اس کمزوری کا فائدہ اٹھا کر اکثر بڑے بڑے ہنگامے اور فتنے کھڑے کر دیتا ہے پھر بعد میں

لوگ پچھتاتے ہیں کہ کاش ہم نے اپنے غصے پر قابو پالیا ہوتا، جبکہ اس پر قابو پانا زبردست قوت برداشت اور ضبط کی بات ہوتی ہے، جو ہر عام انسان کے بس کی بات نہیں' مگر ہم اس بات کا ضرور خیال رکھ سکتے ہیں کہ غصہ کے عالم میں ہم سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جائے کہ اس پر پچھتانا پڑے۔ علامہ تھانویؒ نے اس کیلئے ایک مفید طریقہ بیان فرمایا ہے جس کے استعمال سے ہم بہت حد تک غصہ کے نقصانات سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ فرماتے ہیں :"میں غصہ کے بارے میں ایک گر بتلاتا ہوں جو عملی علاج ہے جو دستور العمل بنانے کے لائق ہے وہ یہ کہ غصہ آتے ہی فوراً نافذ کرنا شروع نہ کر دے۔ ذرا ٹھہر جائے اور جس پر غصہ آیا ہے اسکو اپنے سامنے سے ہٹادے یا خود وہاں سے ہٹ جائے جب جوش جاتا رہے اب فیصلہ کرے کہ اس شخص کو کیا سزا دی جائے "(۴)۔

نااتفاقی اور عدم اتحاد کا بنیادی سبب : فرماتے ہیں :"آج کل بڑے زور سے اس کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہم لوگوں میں اتفاق رہے۔ اس کیلئے تقریریں ہوتی ہیں۔ اخباروں میں تحریری مضامین بھیجے جاتے ہیں، جلسے کیے جاتے ہیں' لیکن جو نااتفاقی کی جڑ ہے یعنی زبان۔ اس کے کاٹنے کی آج تک کسی کو فکر نہیں۔ صاحبو! میں سچ کہتا ہوں کہ نااتفاقی کا بڑا سبب ہم لوگوں کی زبان ہے جس کو لگام ہی نہیں جو چاہا جس کو چاہا کہہ دیا۔ یہ ظالم اس قدر چلتی ہے کہ جسکی حد نہیں اور پھر غضب یہ کہ بے حیا کبھی تھکتی بھی نہیں۔ دوسرے اعضاء مثلاً سر' آنکھ' کان' ہاتھ' پیر جب ان سے ضرورت سے زیادہ کام لیا جاتا ہے تو تھک جاتے ہیں لیکن زبان کسی وقت بھی تھکنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ اس لئے حدیث میں آیا ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو تمام اعضاء زبان سے خوشامد کر کے کہتے ہیں کہ تو ٹھیک رہنا اگر تو درست رہی تو ہم بھی درست رہیں گے اور اگر تو بگڑی تو ہم سب بھی بگڑ جائیں گے "(۵)۔

اتفاق واتحاد کی جڑ : "خلوص اور تواضع" یہی دونوں چیزیں ہیں جن سے ہم میں اتفاق پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوں تو لاکھ چیخیے چلایئے کہ اتفاق کی یہ اہمیت ہے اور اتفاق نہ ہونے کی یہ مضرتیں ہیں کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ ہم میں سے چند لوگ جو اتفاق کی دعوت دیتے ہیں وہ خود اس راز سے واقف نہیں اور اگر واقف ہیں بھی تو ان صفات سے متصف نہیں۔ انہی لوگوں کیلئے علامہ تھانویؒ اپنے دلچسپ انداز میں فرماتے ہیں :"میں سچ کہتا ہوں کہ آج کل جو تقریروں میں کہا جاتا

ہے کہ اتفاق کرو' اتفاق کرو' اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سب میرے ساتھ اتفاق کریں۔ ہر شخص اپنی رائے پر اتفاق کی رائے دیتا ہے اور اس صورت میں قیامت تک اتفاق قائم نہیں ہو سکتا، بلکہ قیام اتفاق کی صورت یہ ہے کہ ہر شخص اس کیلئے آمادہ ہو کہ اگر کوئی میری اتباع نہ کریگا تو میں اس کی اتباع کر لوں گا (بشرطیکہ خلاف شرع کام نہ کرے) حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ آجکل لوگ اتفاق پر تو بہت زور دیتے ہیں مگر اس کی جڑ کو نہیں دیکھتے۔ اتفاق کی جڑ "تواضع" ہے۔ یہ ایک حجرہ نشین صوفی کی تحقیق ہے جس کے سامنے تمام تحقیقات فلسفیہ گرد ہیں (۶)۔

آپس میں محبت اور خلوص پیدا کرنے کا راز : اکثر دیکھا گیا ہے کہ بہت ساری ناچاقیوں اور اختلافات کا بنیادی سبب نہایت ہی چھوٹی چھوٹی اور معمولی باتیں ہوا کرتی ہیں۔ جن کے نظر انداز کرنے اور ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھنے سے وہ تمام اختلافات ختم ہو سکتے ہیں۔ مگر اسلامی تعلیمات سے دوری کی بناء پر ان قیمتی ہدایات سے ہم ناواقف ہیں جو ہماری زندگی کو باغ و بہار اور مسرتوں سے بھرپور بنا سکتی ہیں۔ علامہ تھانویؒ ان ہدایات کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"اور لیجئے اسلام کی تعلیم ہے کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ ہو اور یہ جڑ ہے محبوبیت باہم دیگر کی چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے :"المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں یعنی کسی کو اس سے ضرر و اذیت نہ پہنچے۔ یہ تو کلیہ ہے پھر اس کی جزئیات کی عملی اور علمی طور سے ایسی تعلیم فرمائی ہے کہ انتہا کو پہنچا دیا کہ اگر کوئی مسلمان بھائی سوتا ہو اور تم کو اٹھنے اور کہیں جانے کی ضرورت ہو تو آہستہ سے اٹھو اور آہستہ سے جوتے پہنو۔ آہستہ سے کواڑ کھولو۔ اگر بات کرو آہستہ سے کرو۔ یہ سب حضور ﷺ نے کر کے دکھلایا" (۷)۔

کیا "مال و اسباب" ہی ہماری خوشیوں کے ضامن ہیں ؟: دین پر صحیح اور مکمل عمل سے نہ صرف یہ کہ ہماری آخرت بہتر ہوتی ہے بلکہ ہماری دنیاوی زندگی کا مزا بھی دوبالا ہو جاتا ہے۔ ہم جو کھاتے ہیں' پیتے ہیں' سوتے ہیں اور زندگی کے دوسرے معمولات ہیں ہمارے دین پر عمل کرنے سے ان معمولات میں بھی ایک فرحت اور نشاط کی کیفیت رہتی ہے جو کثرت معاصی سے اٹھا لی جاتی ہے۔ کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ دین پر مکمل عمل کرنے پر مال اور اسباب زندگی زیادہ

حاصل نہیں کئے جاسکتے تو جب اسباب ہی صحیح طور پر میسر نہ ہوں تو زندگی کا مکمل سکون کس طرح حاصل ہو گا؟ اس شبہ کا جواب علامہ تھانویؒ کے مخصوص متاثر کن اور شیریں بیان میں ملاحظہ کیجئے۔ فرماتے ہیں: "خوب سمجھ لیجیئے کہ لطف زندگانی کا مدار مال پر نہیں بلکہ نشاط طبیعت پر ہے...... وہ غریب جو دونوں وقت چنا اور مٹر ہضم کر لیتے ہیں ان رؤساء سے ہزار درجہ افضل ہیں جن سے دو چپاتی بھی ہضم نہیں ہوتی کیونکہ غرباء بھوک کے وقت کھانا کھاتے ہیں اور کھانے کے بعد محنت ومشقت ریاضت وغیرہ کرتے ہیں تو سب ہضم ہو جاتا ہے اور رؤساء تو کمیٹی اور مشورہ کر کے کھاتے ہیں ان کو خاک بھی کھانے کا لطف نہیں آتا۔ اسی طرح اور کاموں کے اندر بھی ان کو نشاط روح حاصل نہیں ہوتا...... میں ببانگ دہل کہتا ہوں کہ لطف زندگانی جو کچھ ہے دیندار کے پاس ہے۔ دنیادار کے پاس کچھ نہیں اور اگر کسی دنیادار کو لطف میں دیکھا بھی جاتا ہے تو وہ یا تو دنیا کا اثر نہیں بلکہ اس حصہ دین کا اثر ہے جو اسکا حاصل ہے اور جس قدر اسکے دین میں کمی ہے اتنا ہی لطف بھی کم ہے اور یا اسکی ظاہری حالت سے دھوکا ہوتا ہے۔ اندرونی حالت کی تفتیش کی جاوے تو پریشانی ہی ثابت ہوگی اور یا اس نے حقیقی لطف دیکھا ہی نہیں اس لئے وہ اس صورت لطف کو لطف سمجھتا ہے" (۸)۔

راحت وسکون کا راز: سکون اور اطمینان کا تعلق صرف "دماغ اور دل" سے ہوتا ہے۔ اسباب اور مال ودولت ضمنی چیزیں ہیں۔ صرف ظاہری اسباب ہی میں سکون واطمینان پوشیدہ نہیں رہتے۔ اگر ایسا ہوتا تو آئے دن مالدار اور شہرت وعزت رکھنے والی شخصیات کی خودکشیوں کی خبریں پڑھنے کو نہ ملتیں۔ کروڑوں املاک کے مالک افراد کو Sleeping Pulses (نیند کی گولیوں) کا استعمال کرنا نہ پڑتا۔ اس سلسلہ میں علامہ تھانویؒ کا یہ منطقی بیان بے حد معنی خیز ہے۔ فرماتے ہیں: "لوگ آج کل سامان راحت کو مقصود سمجھتے ہیں مگر میں پوچھتا ہوں کہ اگر کسی پر پھانسی کا مقدمہ قائم ہو جائے اور سامان راحت اس کے پاس سب کچھ ہو تو کیا اسے کچھ راحت ہو گی؟ ہرگز نہیں اور کچھ نہیں۔ اور اگر ایک لنگوٹا بند بھی اس کے ساتھ قید ہوا ہو اور چند روز کے بعد وہ رہا ہو جائے تو گو اس کے گھر میں سامان راحت کچھ نہیں مگر دیکھ لیجئے کہ رہائی کی خبر سُن کر اس کے یہاں کیسی عید آئے گی۔ معلوم ہوا کہ راحت اور چیز ہے اور سامان راحت اور چیز ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جس کے

پاس سامان راحت نہ ہو اس کو راحت حاصل نہ ہو اور میں فقط دلیل ہی نہیں بلکہ مشاہدہ سے بھی دکھلاتا ہوں کہ آپ ایک کامل دیندار شخص کو لیں مگر ہم جیسا دیندار نہیں بلکہ واقع میں کامل دیندار ہو۔ اور ایک نواب یا رئیس کو لے لیں پھر انکی نجی حالت کا موازنہ کریں تو واللہ ثم واللہ وہ دیندار تو آپ کو سلطنت میں نظر آئے گا اور یہ نواب و رئیس مصیبت میں گرفتار نظر آئے گا۔ مشاہدہ کے بعد تو آپ مانیں گے کہ راحت کا مدار سامان پر نہیں، باقی میں سامان سے منع نہیں کرتا بلکہ دین کے برباد کرنے سے منع کرتا ہوں۔ اگر دین کے ساتھ یہ سامان دنیا بھی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ شریعت نے ضعفاء کو سامان راحت جمع کرنے کی اجازت دی ہے، بلکہ بعض عارفین بھی کمزور طبیعت کے ہوتے ہیں وہ بھی جمعیت قلب کے لئے کچھ سامان رکھتے ہیں مثلاً کپڑوں کے چار جوڑے اور سال بھر کا اناج، سو دین کی نگہداشت کے ساتھ اس کا بھی مضائقہ نہیں مگر عبد الدینار (دینار و روپیہ کا غلام) عبد الدرھم (درھم کا غلام) ہونا بُرا ہے"(۹)

اسلامی اوقاف و املاک کی بربادی کی ایک وجہ: آج کے زمانے میں ہندوستان میں مسلمانوں کی اکثریت میں علم و ہنر، جفاکشی و محنت اور ہمدردی و خلوص کا فقدان پایا جاتا ہے اور اس پر ان کے ہندوستان میں اقلیت میں ہونے اور صحیح سیاسی رہنمائی نہ ملنے کی وجہ سے ان کیلئے باعزت ذرائع معاش کا حصول ایک مشکل مسئلہ بن چکا ہے۔ اور زندگی کی ضرورتیں ایسی ہیں کہ وہ ہر حال میں منہ پھاڑے کھڑی رہتی ہیں۔ چنانچہ ان کی تکمیل کیلئے جب کوئی سہل راستہ نظر نہ آیا تو بد طینت لوگوں کی نظریں مذہبی عمارتوں اور اسلامی اوقاف کی طرف بھی اٹھنے سے نہیں چوکیں۔ چنانچہ بیسیوں قبرستان اور اسلامی اوقاف اسی ذہنیت کے حامل بے غیرت افراد کے ہاتھوں خرد برد ہو کر آج مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل چکے ہیں۔ چہ جائیکہ ان سے مسلمانوں کیلئے رفاہ کا کام لیا جاتا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان املاک اور ان کے اہم عہدوں پر بھی میراث کا مسئلہ چل پڑا۔ اگر باپ قاضی تھے تو اولاد چاہے لفظ "قضاء" کے صحیح معنی بھی نہ جانتی ہو وہی ان کے بعد اس عہدہ کی موروثی حقدار قرار پائی۔ اگر والد شیخ تھے تو بیٹا چاہے دنیا بھر کی نالائقیوں سے متصف ہو مگر ان کے بعد شیخ ہونے کے حقدار وہی ہوں گے۔ اسی طرح دوسرے اہم معاملوں میں بھی ہم نے ذاتی مفادات کیلئے وقتی سلجھاؤ کیلئے اور بعض

جگہوں پر بے جا مروت کی وجہ سے نااہلوں کو اہم عہدوں اور اعلیٰ مناصب پر فائز کر دیا جبکہ اہل اور پر خلوص افراد کی بھی کچھ کمی نہ تھی چنانچہ اس کا نتیجہ ہم آج اچھی طرح بھگت رہے ہیں۔اس کے باوجود ہماری نظر ادھر نہیں جاتی اور ہم اس حقیقت سے نظریں چراتے ہیں کہ کوئی بھی اہم عہدہ "خیرات" یا "بھیک" نہیں ہوتا ہے کہ ہمدردی کے جذبہ کے تحت کسی کے محتاج ہونے کی وجہ سے اسکو دیدیا جائے یا وہ کوئی بیچنے کی چیز نہیں ہوتی کہ جس نے صحیح بولی لگائی اس کو فروخت کر دیا جائے ،بلکہ وہ ایک طرح کی امانت ہوتا ہے جس کی ادائیگی اس کے اہل کو کرنا واجب کا درجہ رکھتا ہے۔ اس پر ساری قوم کی عزت اور وقار کا انحصار ہوتا ہے۔ سینکڑوں افراد کے مفادات اور ضرورتیں وابستہ ہوتی ہیں اور غیر اہل کے ہاتھوں میں جانے پر ان کے ضائع ہونے کا مکمل خطرہ رہتا ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ قیامت کب قائم ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا :"اذاوسدالأمرالی غیرأهله فانتظرالساعة"جب کوئی بھی معاملہ اس کے غیر اہل (نااہل) کے سپرد کر دیا جانے لگے گا تو سمجھ لو کہ قیامت آنے ہی والی ہے"۔ یعنی جب اس طرح کے معاملے کثرت سے ہونے لگیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ قیامت کا وقت قریب ہے۔ مولانا تھانویؒ نے اپنی کئی تقاریر میں اس معاملہ پر بے حد افسوس کا اظہار کیا۔وہ فرماتے ہیں :""آجکل یہ مصیبت عام ہو رہی ہے کہ قضاء اور خطابت میں بھی میراث چلنے لگی کہ قاضی کی اولاد قاضی اور خطیب کی اولاد خطیب۔ چاہے علم اور دین سے کورے ہی ہوں...... اسی طرح آج کل سجادہ نشینی بھی میراث ہو گئی ہے۔ چاہے گدی پر گدھے ہی بیٹھیں۔اور تماشا ہے کہ کبھی تو مشائخ مریدوں کے سر پر خلافت کی پگڑی باندھتے تھے۔ آج کل مرید مشائخ کو خلافت کی پگڑی دیتے ہیں کہ جہاں پیر کا انتقال ہوا اور مریدوں نے اس کے بیٹے کو گدی پر بٹھلا کر خلافت کی دستار دیدی بس اب وہ سب کے پیر ہو گئے (۱۰)۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کا نشیمن

ایک خرابی اس موروثیت میں یہ ہے کہ بزرگوں کے نام کی آمدنی رنڈی اور بھڑووں میں صرف ہوتی

ہے۔ ہزاروں اوقاف آجکل برباد ہو رہے ہیں کیونکہ بزرگوں کی خانقاہوں کیلئے جو آمدنی وقف تھی اس گدی نشینی کی وجہ سے انکی اولاد ہی اسکی متولی ہوتی ہے خواہ لائق ہوں یا نالائق۔ پھر تولیت سے گذر کر ملکیت کا دعویٰ ہونے لگا اور اس طرح ہزاروں اوقاف برباد ہو گئے" (۱۱) (اور ہو رہے ہیں)

امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں طمع و خوف : "نیکیوں کی ترغیب دینا اور برائیوں سے روکنا" بالعموم مسلمانوں کا اور بالخصوص اہل علم کا فریضہ ہے جس کی ادائیگی دونوں پر لازم ہے مگر جس طرح دیگر فرائض کی ادائیگی میں ہم کوتاہیوں کا شکار ہیں اسی طرح اس فریضہ میں بھی طرح طرح کے اندیشوں کا شکار ہیں۔ خاص کر اس وقت جب کسی شخص سے ہمارے مفادات وابستہ ہوں، امیدیں متعلق ہوں یا کسی قسم کا خوف ہو تو اس ذمہ داری کے نبھانے میں اور بھی زیادہ نرمی برتی جاتی ہے جسکے علامہ تھانویؒ سخت خلاف تھے۔ فرماتے ہیں: "روکنے کے تو کیا معنی؟ اگر کہیں طمع یا خوف ہو تو اور اسکی تقریر و تائید کرتے ہیں، کہیں دوستوں کے ناراض ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، کہیں طمع و توقع کا خیال رہتا ہے کہیں محسنوں کے احسان کا اثر ہوتا ہے، بہر حال طمع میں آدمی بہت ڈھیلا ہو جاتا ہے اور حالت بہت گر جاتی ہے...... چنانچہ عام طور پر یہ وباء پھیلی ہوئی ہے کہ ایسا نہ ہو خفا ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ تم اپنی طرف سے ایسا طریقہ امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کا نہ نکالو، جس سے کوئی خفا ہو جائے اور اگر تمھارے اچھے طریقہ پر بھی کوئی خفا ہو جائے تو یہ اس کا فعل ہے تمھارا فعل نہیں"۔ (۱۲)

خواص کا وعظ و نصیحت میں کوتاہی برتنا : خطابت و تقریر اور وعظ و نصیحت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بے حد مؤثر اور فعال ذریعہ ہے جس کو تمام انبیاء کرامؑ نے اپنایا اور اس کے ذریعہ سے وحدانیت و للھیت کی تعلیم دی، مگر آج بہت سے اہل علم صلاحتیں رکھنے کے باوجود اس ذمہ داری کی ادائیگی سے صرف یہ سوچ کر پہلو تہی کرتے ہیں کہ یہ کام کم علم والوں کا ہے ہمارا کام صرف درس و تدریس ہے۔ علامہ تھانویؒ کے خیال میں ایسا سوچنا بالکل غلط ہے اور یہی سوچ سماج میں پیدا شدہ بہت سے مسائل کی جڑ ہے۔ فرماتے ہیں: "ہم لوگ جو لکھے پڑھے کہلاتے ہیں بس طالب علموں کے پڑھانے کو بڑی معراج سمجھتے ہیں مگر جو غایت اصلی اور غرض صحیح تعلیم و تعلم سے ہے اور جو

انبیاء علیھم السلام کا خاص کام ہے یعنی تبلیغ واشاعت جو بذریعہ وعظ ہوتی ہے اس کا کہیں پتہ بھی نہیں بلکہ جو اساتذہ علامہ کہلاتے ہیں وہ اسے موجب تذلیل وتحقیر باعث استخفاف اور ننگ وعار سمجھتے ہیں اور اس زعم میں مبتلا ہیں کہ وعظ کہنا جاہلوں کا کام ہے۔ بس جی تم نے اسے جاہلوں کا کام سمجھ کر چھوڑ دیا تو پھر جاہلوں ہی نے اسے لے لیا۔ جنہیں معانی کی تو کیا خبر ہوتی الفاظ تک درست اور صحیح ادا نہیں کر سکتے۔ لوگوں نے وعظ کہتے دیکھ کر انہیں عالم سمجھ لیا اور عالم سمجھ کر بعد وعظ کے فتوے پوچھنے شروع کر دیے۔ یہ بیچارے عالم تو تھے نہیں مگر یہ کہتے شرم آئی کہ مجھے مسائل نہیں معلوم مجبوراً جو جی میں آیا بتا دیا اور غلط سلط فتوے دے دیا"۔ (۱۳)

واعظ کیلئے عمل کی ضرورت : وعظ ونصیحت میں اثر آفرینی عمل ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ بے عمل واعظ وناصح کا اثر لوگ قبول نہیں کرتے۔ اور الٹا بدظنی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ علامہ تھانویؒ فرماتے ہیں: "عمل وہ چیز ہے کہ نصیحت کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے۔ ایک جگہ میں گیا۔ وہاں ایک اسکول بھی تھا جس میں مسلمانوں کے بچے پڑھتے تھے اور ماسٹر اس کا ہندو تھا۔ وہاں لوگوں نے مجھ سے ماسٹر کی بڑی تعریف کی کہ یہ روز پانچ وقت کی نماز پڑھوانے کیلئے لڑکوں کو مسجد لے جاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ان کا نماز پڑھوانا کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ روزانہ پانچ وقت بچوں کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہوگا کہ اگر نماز کوئی ضروری چیز ہے تو ماسٹر صاحب خود کیوں نہیں پڑھتے، اس لئے ضرورت ہے کہ نماز پڑھوانے والا مسلمان ہونا چاہیئے اور حقیقت میں یہی ہوتا ہے کہ علماءِ باعمل کا جو اثر ہوتا ہے وہ علمائے بے عمل کا نہیں" (۱۴)۔

ایمان کے آخری درجہ سے بھی لاپرواہی : "نہی عن المنکر" کیلئے احکام یہ ہیں کہ اگر کسی کو طاقت ہو تو بُرائی کو ہاتھ سے روکے ورنہ زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے بُرا سمجھے اور ان لوگوں سے دوری اختیار کرے، مگر موجودہ مسلم معاشرے میں ہاتھ اور زبان سے روکنے کا مسئلہ تو دور کی بات ہے دل میں برا سمجھنے کا احساس بھی ختم ہو چکا ہے۔ ہم لوگوں میں سے اکثر تو خود معاصی میں مبتلا ہیں اور جو کچھ حد تک مذہبی حمیت رکھتے ہیں ان میں بھی اس شعور کا فقدان ہے۔ مولانا تھانویؒ اس معاملہ میں کافی تشویش رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں: "حدیث میں آیا

ہے کہ حق تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو کسی بستی کے الٹ دینے کا حکم دیا کہ یہ لوگ بہت حد سے نکل گئے ہیں ان کا تختہ الٹ دو۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا۔ خداوندا اس بستی میں ایک شخص ایسا ہے جس نے عمر بھر بھی کبھی آپ کی نافرمانی نہیں کی۔ کیا اس سمیت الٹ دوں فرمایا ہاں اس سمیت ہی الٹ دو کیونکہ اس نے بظاہر کوئی گناہ نہیں کیا، مگر گنہگاروں کو دیکھ کر اس کے چہرہ پر بل بھی نہیں پڑا وہ ہمارے دشمنوں سے ویسی ہی دوستی اور محبت کے ساتھ ملتا رہا جیسا دوستوں کے ساتھ ملا کرتے ہیں تو یہ کیسی محبت ہے کہ ہمارے دشمنوں پر بھی غصہ نہ آئے، اس لئے وہ بھی انہی کے مثل ہے اس کو بھی الٹ دو۔

صاحبو! اس بلاء میں ہم لوگ بھی گرفتار ہیں۔ ہمارے ملنے والوں میں بھی بعض مبتلائے معاصی ہیں اور ہم ان سے ہنس ہنس کر باتیں کرتے اور ملتے ملاتے ہیں۔ ہاں ایک صورت میں اس کی اجازت بھی ہے وہ یہ کہ کسی سے اضرار (تکلیفوں کے پہنچنے) کا اندیشہ ہو اور اپنے اندر تحمل کی طاقت نہ ہو، اس کو سکوت کی اجازت ہے باقی جس کو ہمت ہو اس کو سکوت کی اجازت نہیں ہے، بلکہ اس کیلئے یہ حکم ہے۔ یبنیٰ اقم الصلوة وأمربالمعروف وانه عن المنكر واصبرعلیٰ مااصابک ان ذالک لمن عزم الامور"(ترجمہ :اے میرے بیٹے نماز قائم کرو، نیکیوں کا حکم دو، برائیوں سے روکو اور اس پر تم کو جو نقصان پہنچے اس کو برداشت کرو۔۔۔۔۔۔۔اس کو چاہیئے کہ صاف صاف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے اور جو خطرہ پیش آئے اس کا تحمل کرے"(۱۵)

آج کل کی پیری مریدی : "شخصیات پرستی" کے معاملہ میں ہندوستان کا ماحول اور یہاں کی تہذیب اپنی امتیازی شان رکھتی ہے۔ ایک لمبے عرصہ تک اسی ماحول میں رہنے کیوجہ سے مسلمان جہاں اور بہت سی باتوں سے متاثر ہوئے وہیں "شخصیات پرستی" کا معاملہ بھی ہے، جسکو ہم موجودہ دور کی پیری ،مریدی میں واضح شکل میں دیکھ سکتے ہیں کہ جہاں مرید اپنے دنیاوی مفادات کے حصول میں تقویت کیلئے کسی شیخ سے بیعت کرتے ہیں وہیں نام نہاد شیخ بھی اپنے نام ونمود اور مادی مفادات کے حصول کیلئے ان کو بیوقوف بناتے ہیں ان کو مخصوص رقومات کے عوض دنیاوی کاموں میں برکتیں عطا کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ عذاب قبر سے نجات اور آخرت میں بخشش کا بھی وعدہ کرتے

ہیں بلکہ کچھ عرصہ قبل تو یہاں تک سنا گیا کہ بعض شیوخ نے ایک مخصوص رقم کی ادائیگی پر پانچ سال اور دس سال کی نمازوں کی معافی کی دستاویز بھی دینا شروع کر دیا اور اسی طرح متعینہ رقم کی ادائیگی پر جنت کا ٹکٹ بھی۔ نعوذباللہ من ذلک۔ علامہ تھانویؒ درمندانہ انداز میں فرماتے ہیں :
"بس آجکل تو پیری مریدی کی حقیقت لوگوں نے یہ سمجھ رکھی ہے کہ پیر صاحب قیامت میں بخشوالیں گے۔ لوگوں نے رسم بیعت کو مغفرت کا سبب سمجھ رکھا ہے۔ گو اسکے بعد کتنے ہی گناہ کر لیں' چنانچہ اسکے متعلق کچھ الہامات اور مکشوفات یاد کر لیے ہیں کہ فلاح بزرگ سے منقول ہے کہ اس سے ہمارے سر پر ایک بزرگ کا سایہ ہو جائے گا تو دنیوی مقاصد میں ہم کو سہولت ہو گی۔ مقدمات میں دعا اور تعویذ گنڈے کروالیں گے اور بیعت سے ہماری تنخواہ میں ترقی ہو جائے گی" اسکے بعد پیروں کی بدحالی اور عوام سے مادی استفادہ کی غرض سے پیری اختیار کرنے کے احوال بیان کر کے کہتے ہیں : "یاد رکھو کہ ایسی پیری مریدی کو اسلام سے کچھ واسطہ نہیں، یہ سراسر بے دینی ہے"۔

بدعت کی روک تھام کا خوبصورت طریقہ : سماج میں مروجہ مختلف بدعات، غلط رسوم وعقائد بیان کر کے فرماتے ہیں : "ان تمام اعتقادات کے موجد یہ مسجد کے "مُلا" ہیں، انہوں نے ایسی ایسی چیزیں ایجاد کی ہیں جس میں آمدنی ہو، ان ملاؤں کی حرص اس قدر ہوتی ہے کہ ان کو جائز ناجائز کی بھی کچھ تمیز نہیں ہوتی...... اسی لئے ایصال ثواب میں ایسی شخیں لگائی ہیں کہ بغیر ان کے کوئی کچھ کسی کو دے ہی نہ سکے۔ مثلاً کھانا پانی سامنے رکھ کر پنج آیت وغیرہ پڑھنا کہ عوام تو خود پڑھنا جانتے نہیں لامحالہ انہی کو بلاویں گے اور جب بلادیں گے تو حصہ بھی ضرور ملے گیا۔ اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ جہاں بدعات سے منع کرنے میں لوگوں کو وحشت ہو تو یوں کہنا چاہیئے کہ تم سب کچھ کرو مگر ان "مُلاؤں" کو کچھ مت دو۔ اللہ کے واسطے فاتحہ دلوایا کرو۔ پھر دیکھ لینا کہ یہی لوگ بدعات کو منع کرنے لگیں گے کیونکہ ملنا ملانا تو کچھ رہیگا نہیں اور فاتحہ کیلئے جگہ جگہ سے گھسیٹے جاویں گے بدعات خود چھوٹ جاویں گی"۔

علماء پر اختلاف کا الزام اور انہیں اتفاق کا غلط طریقہ : آج عوام میں ہر طرف اس بات کو لیکر رونا رویا جاتا ہے کہ علماء کے اختلافات نے سب کو منتشر کر دیا ہے۔ مضطرب کر دیا ہے۔ یہ

لوگ چاہتے ہیں کہ اچھے بُرے صحیح غلط سب کو نظر انداز کر کے ایک دوسرے کو سمجھ کر اور ایک دوسرے کا لحاظ رکھ کے آپس میں صلح کر لینا چاہئیے، اس لئے کہ "اختلاف "بہت ہی بُری چیز ہے۔ عوام کیابلحہ بہت سے خواص بھی اسی ذہنیت کے حامل ہیں۔ان کو اس بات کا اندازہ نہیں کہ جہاں بھی حق اور باطل کا ٹکراؤ ہوگا اختلاف ضرور پیدا ہوگا۔"اختلاف "بذات خود کوئی بُری چیز نہیں ہے بلحہ باطل پر رہتے ہوئے ناحق اختلاف غلط چیز ہے۔ اہل حق کو اختلاف کا مکمل حق حاصل ہے۔اگر اسی ضابطہ پر عمل کیا جائے کہ اختلاف بذات خود بُری چیز ہے اس سے مکمل پرہیز کرنا چاہئیے تو ہم زندگی کے کسی بھی شعبہ میں صحیح طور پر نہیں چل سکیں گے اور دوسروں کے استحصال کا شکار بنتے چلے جائیں گے۔ ظاہر سی بات ہے کہ کوئی آدمی اپنے مفادات کیلئے ہمارا استحصال کرے گا، صحیح نظریات کا مذاق اڑائے گا تو کیا ہم صرف یہ سوچ کر کہ "اختلاف "بُری چیز ہے اس کو اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے دیں گے ؟یا پھر اس سے اختلاف کرتے ہوئے اس کو روکیں گے ؟ بالکل اسی طرح علماء کا بھی معاملہ ہے۔ مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں :"بعض تو اہل حق ہی سے کہتے ہیں کہ آپ کو دوسروں سے اتفاق کر لینا چاہئیے اور بعض ایسے بھی ہیں جو دونوں سے کہتے ہیں کہ دونوں کو باہم اتفاق کر لینا چاہئیے۔یہ لوگ اہل حق کو بھی اہل باطل سے اختلاف کرنے کیوجہ سے مجرم سمجھتے ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اہل حق کو اہل باطل کے ساتھ اتفاق رکھنا چاہئیے، خواہ تو وہ ان کی بات مان لیں اگر وہ نہ مانیں تو پھر ان کو ان کی بات مان لینا چاہئیے کیونکہ اختلاف مذموم ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اختلاف مطلقاً مذموم ہے تو پھر آج سے اگر کاشتکار آپ کی زمین کا لگان نہ دے تو اس کی نالش نہ کرنا کیونکہ نالش کرنا نزاع ہے اور نزاع مطلقاً مذموم ہے اور اگر وہ گھر مانگے اور اس وقت اس سے پوچھا جائے کہ تو ہمارا گھر کیوں لیتا ہے اور وہ یہ جواب دے کہ ناحق لیتا ہوں اور اگر آپ نے نہ دیا تو مجھ میں آپ میں اتفاق نہ رہیگا تو آپ کو چاہئیے کہ نزاع سے بچنے کیلئے اپنا گھر اس کو دیدیں اور اگر وہ زمین دبالے تو اختلاف سے بچنے کیلئے اس کو زمین بھی دیدو"۔

علماء سے دینی و تبلیغی اور اشاعتی کام لینے کا آئیڈیل طریقہ : موجودہ معاشرے میں علماء کرام کیلئے سب سے زیادہ تکلیف دہ اور پریشان کن مسئلہ "معاش "کا ہے۔ایک عالم جب کسی ادارے

سے تیار ہو کر نکلتا ہے تو اس کے سینہ میں ملت اور قوم کی اصلاح "خدمت دین" اور اشاعت اسلام کا جذبہ بالکل تازہ اور جوان ہوتا ہے۔ مگر عملی زندگی میں قدم رکھتے ہی اس کا سامنا ان معاشی مسائل سے ہوتا ہے جن سے کسی بھی انسان کو فرار نہیں، نتیجتاً وہ ان مسائل کو سلجھانے میں جو مشغول ہوتا ہے تو دار فانی سے دار جاودانی کی طرف کوچ تک وہ مسائل ختم ہونے کا نام نہیں لیتے۔ ایسے ماحول میں اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ تبلیغ اسلام' اصلاح امت' درس و تدریس' تصنیف و تالیف کا کام بھی دلجمعی و یکسوئی کے ساتھ کرے بالکل بے جا اور غلط ہے۔ عملی و اصلاحی کام بالکل مستقل حیثیت رکھتے ہیں اور ان کیلئے عام کاموں سے زیادہ یکسوئی و دلجمعی کی ضرورت پڑتی ہے اور کسی بھی الجھن و پریشانی کے عالم میں یہ کام نہیں کئے جاسکتے ہیں۔ اس کیلئے لازم ہے کہ ان علماء کو معاش کی طرف سے بے فکر بنادیا جائے اور ایسا انتظام کیا جائے کہ ان کی زندگی عزت و وقار کے ساتھ گزرنے لگے پھر ان سے اصلاح امت اور تبلیغ و اشاعت کا کام لیا جائے۔ علامہ تھانویؒ فرماتے ہیں: "علماء سے کام لینے کی صورت یہ ہے کہ پہلے ان کے اہل و عیال کے نفقہ کا بندوبست کر دیا جائے کیونکہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ان کے پاس روپیہ نہیں ہے اس وقت ہر شخص کسی نہ کسی حیلہ میں لگا ہوا ہے جس میں ان کو معقول تنخواہ مل رہی ہے جس سے ان کے گھر کا خرچ چل رہا ہے۔ اب ان کو اس حیلہ سے چھڑا کر تبلیغ میں جبھی لگا سکتے ہیں جبکہ پہلے ان کی تنخواہ کا انتظام ہو جائے اس کی ایک سہل تدبیر یہ ہے کہ ہر ضلع میں ایک امیر یا امراء و غرباء سب مل کر ایک مبلغ کا خرچ اپنے ذمہ کر لیں۔ اس صورت میں کسی انجمن یا مرکز سے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔ بس مبلغ اور مبلغ دو سے واسطہ ہوگا۔ اگر اس کا انتظام ہو جائے تو کام نہایت اطمینان سے ہوتا رہیگا اور دواماً ہوتا رہیگا۔ ہر چند کہ ایک مرکز کا سب کو تابع ہونا بہت اچھا ہے مگر دشواری تو یہی ہے کہ مرکز کس کو بنایا جائے" (۱۸)۔

بے جا تشہیر اور ہنگامہ آرائی: ہم مسلمانوں کا موجودہ المیہ ہے کہ کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہنگامہ آرائیوں' جوشیلے نعروں اور بے جا پبلسٹی کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتے۔ جہاں کسی کام کا ارادہ ہوا کہ تنظیمیں بنتی ہیں' اراکین بنائے جاتے ہیں' اخباروں میں خبریں اور بیانات دیئے جاتے ہیں' پوسٹریں لگائے جاتے ہیں' پمفلٹ بانٹے جاتے ہیں مگر چند دنوں بعد "ٹائیں ٹائیں فش" سب

کے سب ٹھنڈے ! حالانکہ ہونا یہ چاہئیے کہ سب سے پہلے خلوص و بے لوثی کے ساتھ ٹھوس اقدامات کئے جائیں، مستقل محنت اور عمل پیہم کا نمونہ پیش کرتے ہوئے پبلسٹی کے ذرائع کو استعمال میں لایا جائے۔ وہ بھی حسب ضرورت اور عتدال کی حد تک۔ ہم لوگ ہوش کے دامن کو چھوڑ کر جوش ہی میں مگن آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور جب جوش ٹھنڈا پڑتا ہے تو سارا معاملہ ٹھنڈا۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی فراموش نہیں کرنا چاہئیے کہ وقتی اشتعال میں آکر جو اقدمات کئے جاتے ہیں وہ زیادہ جاندار اور دیرپا ثابت نہیں ہوتے۔ علامہ تھانویؒ نے اس معاملہ پر اپنی کئی تقاریر میں افسوس کا اظہار کیا۔ فرماتے ہیں :"صاحبو! میں کیا کہوں کہتے ہوئے شرم بھی آتی ہے اپنے ہی گھر کا راز کھلتا ہے۔ آج کل ہماری حالت یہ ہے کہ اجتماعی کام میں ہمیشہ گڑبڑ ہوتی ہے جس کام میں جتنا زیادہ اجتماع ہوگا اتنا ہی جھگڑا ہوگا۔ ہم لوگوں نے اپنی حالت سے دوسروں کو دکھلادیا ہے کہ ہم میں اجتماع کے ساتھ کام کرنے کی بالکل قابلیت نہیں۔ کیونکہ رات دن کا مشاہدہ ہے کہ جس کام میں جتنا زیادہ ہنگامہ ہوتا ہے جو لازم اجتماع سے ہے وہ جلدی ہی ختم بھی ہو جاتا ہے بقا اسی کام کو ہوتا ہے جو تدریج کے ساتھ بڑھے اور اعتدال کے ساتھ چلتا رہے جو لوازم انفراد سے ہے، ورنہ وہی حالت ہوتی ہے کہ جیسے بازی گر شعبدہ سے آم کا درخت لگاتے ہیں کہ وہ ذرا سی دیر میں پیدا بھی ہو جاتا ہے اور فوراً ہی پھل بھی لے آتا ہے اور جلدی ہی فنا بھی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ ابتداء ہی سے بڑی لمبی چوڑی تجویزیں کرتے ہیں اور انجمن اور عہدہ دار مقرر کرتے اور جلسے کرتے ہیں، ان سے کام کچھ نہیں ہوتا۔ چار دن کے بعد سب باتیں ٹھنڈی پڑجاتی ہیں"۔ آگے فرماتے ہیں : یادرکھو جوش سے کام نہیں چلتا بلکہ ہوش سے کام چلتا ہے۔ پس جوش اور ہنگامہ کی ضرورت نہیں، ہوش سے کام لینے کی ضرورت ہے اور اس کا وہی طریقہ ہے کہ جس سے جتنا ہوسکے بس اللہ کا نام لیکر شروع کردے۔ نہ انجمن کی ضرورت ہے نہ سیکرٹری کی۔ بس دو چار آدمی جتنے متفق ہوسکیں، کام شروع کردیں اور اگر کوئی متفق نہ ہو تو تم اکیلے ہی کام شروع کردو"(۱۹)۔

قرآن کریم سے سائنسی مسائل کا استنباط : ہم مسلمان اس بات کو بیان کر کے بڑے خوش ہوتے ہیں کہ آج جو سائنسی ترقیاں ہورہی ہیں ان سب کا ذکر پہلے ہی سے قرآن میں موجود ہے اور

یہ کہ تمام سائنسی ترقیوں کے کلیوز (اشارے) قرآن میں موجود ہیں۔ مگر علامہ تھانویؒ اس کے سخت خلاف تھے اور انہوں نے اس موضوع پر جو باتیں پیش ی ہیں ہم انہیں نظر انداز بھی نہیں کر سکے انکا کہنا تھا کہ قرآن کریم رشد وہدایت کی کتاب ہے اسکو اسی مبارک حیثیت کے ساتھ پیش کرنا چاہئیے اس میں طب کے اور موجودہ سائنس کے مسائل تلاش کرنا نادانی کی بات ہو گی۔ پھر فرماتے ہیں: "دوسری خرابی یہ ہے کہ سائنس کے مسائل ہمیشہ متبدل ہوتے رہتے ہیں۔ پرانی سائنس آجکل گرد ہو رہی ہے۔ حال کی سائنس میں خود اختلاف ہے اور ممکن ہے کہ آئندہ جو محققین پیدا ہوں انکی تحقیقات اسکے بالکل خلاف ہوں تو آج اگر کسی سائنسی کے مسئلہ کو قرآن مجید کی تفسیر بنادیا اور یہ ثابت کر دیا اور تسلیم کر لیا کہ یہ مدلول قرآنی ہے تو کل کو جبکہ ان مسائل کی غلطی ثابت ہو جائے گی، ایک ادنیٰ سا ملحد اس کو غلط ثابت کر کے پھر اس سے قرآن مجید کا نعوذ باللہ خلاف واقع کے ہونا دکھلا دے گا اور مخالفین کو یہ کہنے کی گنجائش ہو جاویگی کہ تمھارے مذہب کی یہی کتاب ہے جسمیں خلاف واقع مسائل ہیں (۲۰)۔ تیسری خرابی اور ہے اور اسکو میں بے غیرتی سے تعبیر کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ ان مسائل کو مدلول قرآنی بناتے ہیں گویا اہل یورپ کو احسان جتلانے کی گنجائش دیتے ہو کہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری بدولت آج قرآن مجید کے معنی معلوم ہوئے۔ اگر ہم ان مسائل کی تحقیق نہ کرتے تو محمد ﷺ سے لیکر اس وقت تک کسی کو قرآن مجید کا پتہ نہ لگتا" (۲۱)۔

گناہوں کی وقتی لذت دائمی تکلیف کی موجب ہے: "گناہوں کی لذت" ایک ایسی سحر انگیز اور نشیلی چیز ہے جو ابن آدم کو بار بار اپنے رب عظیم کی نافرمانی پر اکساتی ہے۔ وہ اس کی خاطر اپنے کھلے دشمن شیطان سے بھی دوستی اور سمجھوتہ کر لیتا ہے، پھر جب بھی اس میں کچھ اصلاح کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ شیطان کی طرف سے فوراً یہ خیال آتا ہے کہ اگر میں صحیح احکامات پر عمل کر کے زندگی گزاروں گا تو ان لذتوں سے محروم ہو جاؤں گا، جن سے ابھی مستفید ہو رہا ہوں۔ چنانچہ یہ سوچنے لگتا ہے کہ ابھی اور ان لذتوں کا مزا لے لوں آخر میں توبہ کر لوں گا۔ جبکہ وہ اپنے آخری وقت کی تعین سے بے خبر رہتا ہے اور اس طرف سے بھی اس کا ذہن غافل ہو جاتا ہے کہ یہ لذتیں فانی ہیں، وقتی ہیں جبکہ انکی سزا دائمی اور بے حد تکلیف دہ ہے۔ فرمان تھانویؒ ہے: "گناہوں

میں مزا اپانا دل کی بیماری کی علامت ہے جیسے سانپ کے کاٹے ہوئے کو نیم کے پتے میٹھے معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ مٹھائی موت کا پیام لاتی ہے۔ ابتداء میں اگر اصلاح کی کوشش کی جائے تو سہل ہے ورنہ پھر تو مثل بخار کے مریض کے ہے جس کو بد پرہیزیوں سے دق ہوگئی ہو اور پھر بھی اس نے کچھ پروانہ نہیں کی، آخر کو درجہ رابعہ میں پہنچ کر لاعلاج ہوگئے۔ اسی طرح جو لوگ گناہ پر برابر اصرار کرتے ہیں اور مالک کی طرف رجوع نہیں کرتے ان کے دلوں پر مہر ہوجاتی ہے جس کے سبب پھر توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرماتے ہے :

"ختم اللہ علی قلوبھم وعلیٰ سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ" (البقرہ)

اگرچہ گناہ فی الوقت مزیدار معلوم ہوتا ہے لیکن وہ مزہ فوری و فانی ہے اور اس کی سزا دائمی و باقی ہے۔ دنیا کے مزے بالکل خواب و خیال ہیں انسان کو چاہئے کہ ان کے واسطے اپنی آخرت کی دولت و عزت کو نہ برباد کرے" (۲۲)۔

علامہ تھانویؒ کے خطبات کی خصوصیات کا تعلق ان کے غیر معمولی علم و فضل، زہد و تقویٰ، تجربات و مشاہدات اور انسانی نفسیات کی پیچیدگیوں سے گہری واقفیت سے ہے اور یہاں پر بعض اہم خصوصیات کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے، انکے خطبات کے بنیادی مآخذ میں سر فہرست قرآن وحدیث ہیں پھر اسلامی تاریخ، اسلام کا عملی ورثہ اور سلف صالحین کے کارنامے ہیں، وہ جو کچھ کہتے ہیں قرآن و سنت کی روشنی میں کہتے ہیں، مخاطب کی سطح اور اسکے مزاج کو مد نظر رکھ کر کہتے ہیں۔ انسانی نفسیات کی پیچیدگیوں سے انہیں بخوبی واقفیت حاصل تھی جسکی بناء پر ان کی پیشکش کا انداز ہر ایک کیلئے پر کشش اور قابل غور ہوتا۔ انکی تقاریر میں ہم کو ظرافت و مزاح کا عنصر بھی ملتا ہے جو عوام کو باوجود انکی طوالت کے ان میں یکساں دلچسپی لینے پر مجبور کرتا تھا۔

علامہ کے خطبات میں ایک سنجیدہ، باوقار اور ہلکی پھلکی و دلکش فضاء پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے سامعین کو ذمہ دارانہ طور پر فکر پر آمادہ کرتے ہیں اور ان کو انکی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہیں۔ انکے خطبات تصنع و بناوٹ، ظاہری شان و شوکت، غیر ضروری الفاظ کے استعمال اور عوام کو خواہ مخواہ اپنی صلاحیتوں سے مرعوب کرنے کے ہتھکنڈوں سے یکسر پاک ہیں۔ جن موضوعات کو انہوں

نے اپنے خطبات میں چھیڑا اور انکا حل پیش کیا ان میں سے بیشتر آج پچاس سال گزرنے کے بعد بھی ویسے ہی اہم اور مفید ہیں جیسے انکے اپنے زمانے میں رہے ہوں گے۔ خاص طور پر وہ خطبات جو علماء کرام اور بزرگان ملت کی اصلاح سے تعلق رکھتے ہیں۔ انکے خطبات کی زبان عام طور پر سہل اور سادہ ہے مگر بعض جگہوں پر پُر شکوہ اور اس حد تک ثقیل ہو جاتی ہے کہ اسے صرف خواص ہی سمجھ سکتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ "خطبات حکیم الامت" عوام و خواص دونوں کی اصلاح کا ایک ایسا زبردست ذریعہ ہیں جنکو سامنے رکھ کر موجودہ دور میں بھی اصلاح امت اور اشاعت اسلام کے کام کو آگے بڑھایا جاسکتا ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ عوام کے ساتھ ساتھ خواص بھی اسکے مطالعہ اپنا محاسبہ کر سکتے ہیں کہ ہم کہاں تک اپنے فرائض کی ادائیگی میں کامیاب ہیں کہ علامہ تھانویؒ کی شعوری اور لاشعوری دونوں قسم کی بیماریوں پر گہری نظر تھی اور انہوں نے اپنے خطبات میں اپنے وسیع مطالعہ، غیر معمولی علم و فضل اور تجربات و مشاہدات کی روشنی میں انکا علاج بھی پیش کیا۔

﴿حواشی﴾

(۱) خطبات حکیم الامت، زمزم بکڈپو دیوبند، ۱۹۹۶ء: ج ۱ ص ۱۵۷ـ۱۵۸ (۲) خطبات حکیم الامت، ج ۱ ص ۳۶۳ـ۳۶۴ (۳) خطبات حکیم الامت: ج ۲ ص ۴۰ (۴) خطبات حکیم الامت: ج ۲ ص ۸۶ (۵) خطبات حکیم الامت: ج ۲ ص ۱۳۵ (۶) خطبات حکیم الامت: ج ۲ ص ۴۱۲ (۷) خطبات حکیم الامت: ج ۲ ص ۴۵۹ (۸) خطبات حکیم الامت: ج ۲ ص ۳۴۰ (۹) خطبات حکیم الامت: ج ۲ ص ۳۴۴ـ۳۴۵ (۱۰) خطبات حکیم الامت: ج ۲ ص ۳۶۳ (۱۱) خطبات حکیم الامت: ج ۲ ص ۳۶۷ (۱۲) خطبات حکیم الامت: ج ۱ ص ۱۵ (۱۳) خطبات حکیم الامت: ج ۱ ص ۲۲ (۱۴) خطبات حکیم الامت: ج ۱ ص ۲۵ (۱۵) خطبات حکیم الامت: ج ۲ ص ۳۵۳ (۱۶) خطبات حکیم الامت: ج ۱ ص ۲۲۶ـ۲۲۷ (۱۷) خطبات حکیم الامت: ج ۲ ص ۳۳۱ (۱۸) خطبات حکیم الامت: ج ۱ ص ۲۰۲ـ۲۰۳ (۱۹) خطبات حکیم الامت: ج ۱ ص ۲۲۴ـ۲۰۶ (۲۰) خطبات حکیم الامت: ج ۲ ص ۲۲۴ـ۲۰۶ (۲۱) خطبات حکیم الامت: ج ۲ ص ۲۲۷ (۲۲) خطبات حکیم الامت: ج ۳ ص ۱۱۰۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جناب افضل حیدری صاحب

افغانستان پر امریکی حملے کا منصوبہ اور پاکستان

پاکستان تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہا ہے۔ نئی صدی جس تیزی سے آرہی ہے اسی تیزی سے اس کیلئے بحران بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ وطن عزیز ابھی مسئلہ کشمیر کے تناظر میں کارگل بحران سے بخوبی عہدہ برآ نہیں ہو سکا تھا کہ اس کے شمالی مغربی بارڈر پر ایک اور خطرہ انگڑائیاں لینے لگا ہے۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق امریکہ نے ایک بار پھر افغانستان پر حملے اور کمانڈو ایکشن کی تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ امریکہ نے اس حملے اور کمانڈو ایکشن کیلئے بظاہر اسامہ بن لادن کو آڑ بنایا ہے مگر کارگل میں بھارت کی شکست فاش اور مسئلہ کشمیر پر عالمی برادری کی بیداری کے حوالے سے دیکھا جائے تو کچھ اور منظر ہی ابھر کر سامنے آتا ہے جو ہماری آنکھیں کھول دینے کیلئے کافی ہے۔ اس کی تفصیل آگے چل کر بیان کی جائے گی۔ پہلے اس خطرے کو درست انداز میں محسوس کرنے کیلئے گذشتہ چند روز کی خبروں پر نظر ڈالنا زیادہ بہتر ہوگا۔ کراچی میں افغان قونصل جنرل رحمت اللہ کاکازار نے 20۔ جولائی کو انکشاف کیا کہ امریکہ کے 3 جنگی بحری جہاز گوادر پہنچ گئے ہیں جن پر دور مار میزائل نصب ہیں۔ یاد رہے کہ امریکہ ' کینیا اور تنزانیہ میں اپنے سفارت خانوں میں بم دھماکوں کے شبہہ میں اسامہ بن لادن کو زندہ یا مردہ گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ کاکازار نے کہا کہ اگر افغانستان پر حملہ ہوا تو دنیا بھر میں امریکی تنصیبات کو نشانہ بنایا جائے گا۔ ہمارا کسی حکومت کے ساتھ مجرموں کے تبادلے کا معاہدہ نہیں۔ بلوچستان کے محکمہ داخلہ نے امریکی جہازوں کی آمد کی تردید کی تاہم وائس آف امریکہ نے بتایا کہ اسامہ بن لادن کو جلال آباد میں دیکھا گیا ہے جہاں کی آبادی امریکی حملے سے بچنے کیلئے نقل مکانی کر گئی ہے۔ بعد میں ملنے والی اطلاعات سے امریکی حملے کے امکان کو تقویت ملتی ہے۔ پاکستان میں خاص طور پر پشاور میں امریکی دفاتر کی سیکورٹی سخت کر دی گئی ہے۔ بعض اطلاعات کے مطابق امریکی کمانڈوز افغانستان پہنچ گئے ہیں جن میں ایف بی آئی کے وہ اہلکار بھی

شامل ہیں جنھوں نے ڈیرہ غازی خان سے ایمل کانسی کو گرفتار کیا تھا۔ ادھر طالبان نے امریکی دباؤ میں آنے سے صاف انکار کر دیا ہے اور واضح کیا ہے کہ ہم مقابلہ کریں گے۔ طالبان فوجیں چوکس ہوگئی ہیں اور سرحدوں پر میزائل نصب کر دیئے گئے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ ان سطور کی اشاعت تک صورتحال مزید سنگین ہو چکی ہو۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امریکہ کو ٹھیک اس وقت افغانستان میں آپریشن یا حملے کا خیال کیوں آیا جب کشمیر میں بھارتی فوج کو بھاری جانی نقصان ہو رہا ہے اور جنگ کی صورتحال میں بھارت کی شکست سامنے نظر آرہی ہے۔ حکومت پاکستان کو امریکہ کے افغان آپریشن پر گہری نظر رکھنی چاہئیے اور ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہوگا۔ ہم یہ بات فراموش نہیں کر سکتے کہ اگر بھارت سے جنگ لڑنا پڑ گئی تو ہمارے لیے چین کے بعد سب سے اہم ممالک افغانستان اور ایران ہوں گے۔ افغانستان پر امریکہ کا حملہ پاکستان کی پوزیشن انتہائی نازک بنادے گا۔ امریکہ ایک حملے سے کئی محاذ فتح کرنے کی تدبیر کر رہا ہے اور بھارت کا "ساہ سوکھا" کرنا چاہتا ہے۔ یہ بات طے ہے کہ جب کبھی طالبان اندرونی مسائل (جن میں خانہ جنگی سب سے بڑا مسئلہ ہے) سے فارغ ہو گئے تو ان کی پہلی ترجیح کشمیر میں نہتے مسلمانوں کو قتل کرنے والی بھارتی فوج کے خلاف جہاد ہوگی۔ بھارتی فوج جس سے نوعمر غیر تربیت یافتہ مجاہدین ہی قابو نہیں آئے ان طالبان سے کیا لڑے گی جن کی ساری عمر ہی روسی ریچھ کو ناکوں چنے چبواتے گزری اور جو پہاڑی علاقوں میں گوریلا جنگ کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ ایک سپر پاور کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والوں کیلئے بھارت کے حصے بخرے کرنا کیا مشکل ہوگا۔ بھارت اور امریکہ کو شک ہے کہ طالبان ابھی بھی کشمیر میں لڑ رہے ہیں۔ روس کے خلاف جہاد میں پاکستان نے طالبان کا ساتھ دیا تھا اور اس کی قیمت اپنے ملک میں بم دھماکوں اور کلاشنکوف کلچر کی صورت میں ادا کی اس لیے طالبان اس کا یہ احسان چکانے کیلئے جہاد کشمیر میں ضرور حصہ لیں گے۔ امریکہ ان کی کمر توڑ کر نہ صرف خطے میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کا راستہ روکنا چاہتا ہے بلکہ بھارت کو بھی اس خطرے سے ہمیشہ کیلئے محفوظ کرنا چاہتا ہے۔ افغانستان پر حملے کیلئے کسی نہ کسی طرح پاکستان کی سرزمین ضرور استعمال ہوگی' چاہے اس کے صرف میزائل ہی پاکستان کی فضاؤں

سے گزر کر ہمارے افغان بھائیوں پر برسیں۔ اس صورت میں طالبان کو پاکستان سے شکوے پیدا ہو سکتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے جب امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا تھا تو ایسی غیر مصدقہ اطلاعات آئی تھیں کہ پاکستان کو اس کا پیشگی علم تھا۔ اگرچہ پاکستان نے اس کی تردید کی تھی اور امریکی حملے پر احتجاج بھی کیا تھا تاہم دفتر خارجہ نے ہمیشہ کی طرح اس میں تھوڑی تاخیر کر دی تھی اس بار پاکستان کو حملے سے پہلے ہی امریکہ پر واضح کر دینا چاہیئے کہ افغانستان پر حملہ پاکستان پر حملہ تصور ہو گا۔ حکومت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ مشکل میں سب سے پہلے ہمسایہ ہی مدد کو پہنچتا ہے۔ اگر حملہ ہو گیا تو کچھ عرصہ پہلے امریکی آرمی چیف جنرل انتھونی زینی کی پاکستان آمد کو بھی اس سلسلے کی کڑی سمجھا جائے گا۔ اگرچہ حکومت نے اسامہ بن لادن کے معاملے میں اپنی پوزیشن یہ کہہ کر صاف کر دی ہے کہ ہمارا اس سے تعلق ہے نہ اس کی گرفتاری کیلئے امریکہ کو یقین دہانی کرائی گئی ہے تاہم ابھی مزید سخت موقف اپنانے کی ضرورت ہے۔ پاکستان نے بھارت سے حالیہ کشیدگی میں اپنے دوسرے اہم ترین ہمسایہ اور برادر اسلامی ملک ایران کی حمایت حاصل کرنے کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی' اس لئے اس کی طرف سے کارگل بحران پر پاکستان کے حق میں کوئی ٹھوس بیان نہیں آیا۔ اب اگر امریکہ افغانستان پر حملہ کرتا ہے تو ایران بظاہر بے شک خاموش رہے لیکن اندر سے اس کی حمایت کرے گا کیونکہ وہ مزار شریف کے زخم ابھی تک نہیں بھولا' جہاں طالبان کے قبضے کے بعد ایران کے دس سفارتکاروں کی لاشیں ملی تھیں' اس صورت میں ایران اور پاکستان میں کشیدگی پھر جنم لے سکتی ہے۔ امریکہ اور ایران ایک دوسرے کے لاکھ دشمن سہی مگر طالبان کے معاملے پر ان کے مفادات مشترکہ ہیں اس لیے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ امریکہ افغانستان پر حملہ کر کے پاکستان کو عین اس وقت ان دو پڑوسیوں کی حمایت سے محروم کر سکتا ہے جو بھارت سے جنگ کی صورت میں اس کے دست و بازو بن سکتے ہیں۔ کارگل سے مجاہدین کا انخلاء کرانے کے بعد اب انکل سام افغانستان اور ایران کو پاکستان کی طرف سے بدگمان کرنے کی جس سازش پر عمل کر رہا ہے وہ اس کے نیو ورلڈ آرڈر کا سب سے اہم حصہ ہے۔ امریکہ کسی صورت یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ جن اسلامی قوتوں نے افغانستان میں سر ابھارا ہے وہ مقبوضہ کشمیر میں دوسرا جنم لے کر ایک اور خود ساختہ سپرپاور کے

ٹکڑے ٹکڑے کریں اور خطے میں مضبوط اسلامی بلاک وجود میں آئے۔ بھارت کی شکست اس کے نیو ورلڈ آرڈر کی شکست ہو گی۔ وہ بھارت کو چین کے خلاف کھڑا کرنا چاہتا ہے۔ چین جو کہ مستقبل کی دوسری بڑی طاقت ہے امریکہ کو ایک آنکھ نہیں بھاتا' اس کا کمیونسٹ سیٹ اپ اور کلچر امریکہ کو اپنی موت لگتا ہے۔ سرمایہ دار نہیں چاہتا کہ روس سے جان چھوٹنے کے بعد اسے ایک اور کمیونسٹ سپر پاور کا مقابلہ کرنا پڑے۔ بھارت کی حفاظت امریکی نیو ورلڈ آرڈر کا حصہ ہے جس پر عملدر آمد کا آغاز ہو چکا ہے۔ امریکہ براہ راست پاکستان پر حملہ کر کے اس کی طاقت ختم نہیں کر سکتا لیکن اندر ہی اندر اس کی جڑیں کاٹ رہا ہے۔ حکومت پاکستان کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئیے کہ اس کیلئے امریکہ سے زیادہ افغانستان اور ایران اہم ہیں اور پھر چین بھی تو اس کے ساتھ ہے۔ افغانستان میں خانہ جنگی کے خاتمے کیلئے پاکستان جو کوشش کر رہا ہے انہیں مزید تیز بلکہ بہت تیز کرنے کی ضرورت ہے۔ پاکستان کو چاہئیے کہ اپنے مشترکہ دوستوں کو جو آپس میں دشمن ہیں ایک دوسرے کے قریب لائے' ان کی غلط فہمیاں دور کرائے اور تینوں ممالک پر مشتمل اسلامی بلاک بنانے کی راہ ہموار کرے۔ بعد میں اس بلاک میں وسطی ایشیائی ریاستیں بھی شامل کر لی جائیں تو جو نقشہ ابھرے گا وہ بھارت' روس' اسرائیل' امریکہ سب کو ہلا کر رکھ دے گا۔ اس اسلامی بلاک کے ممالک آپس میں معاہدہ کریں کہ ان میں سے کسی ایک پر حملہ سب پر حملہ تصور ہو گا اور سب مل کر جارح ممالک کے خلاف لڑیں گے۔ ایٹمی قوت سے لیس اور تیل کی دولت سے مالا مال ملک اس بلاک کے رکن ہوں گے تو تعمیر و ترقی کی منزلیں ہفتوں نہیں دنوں میں طے ہوں گے' اس بلاک سے اچھے تعلقات رکھنا امریکہ اور یورپ کی مجبوری ہو گی۔ یہ بلاک مختلف معاملات پر مشترکہ مؤقف اپنا کر اپنی شرائط آسانی سے منوا سکے گا۔ امریکہ جانتا ہے کہ جس روز افغانستان میں امن قائم ہو گیا اس روز سے خطے میں اسکے مفادات خطرے میں پڑ جائیں گے اس لیے وہ یہاں خانہ جنگی برقرار رکھنا چاہتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆ (بشکریہ "خبریں")

افکار و تأثرات

قارئین بنام مدیر

جناب محترم مدیر الحق سلمہ اللہ تعالیٰ

سلام مسنون کے بعد عرض ہے کہ "الحق" میں تعطیلات مدارس کے متعلق جو مشورہ دیا گیا ہے مجھے بذاتہ اس سے بالکل اتفاق ہے۔ مناسب ہے کہ آئندہ پرچہ میں آراء معلوم کرنے کیلئے اعلان فرمادیں کہ مدارس کے جن حضرات کو اس سے اتفاق ہو وہ ادارہ کو مطلع کریں۔ اور پھر وفاق المدارس کی مجلس شوریٰ میں پیش فرمادیں مالہ وماعلیہ کے بعد متفقہ فیصلہ کے اعلان سے اہل مدارس کو مطلع کیا جاوے۔ میرے نزدیک جون، جولائی میں تعطیلات کے وجوہ ترجیح ذیل ہیں:

(۱)۔ بعض مدارس میں مدرسین کی تنخواہ اتنی نہیں ہے جتنا کہ بجلی کا خرچ ہے۔ (۲)۔ گرمیوں میں نہانے، کپڑے دھونے کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے وضوخانے وغیرہ میں پانی پہنچانے کیلئے موٹر پمپ استعمال کرنا پڑتا ہے اور یہ آٹھ دس گھنٹے چلانا تو خواہ مخواہ ہوتا ہے اس سے بھی بجلی کا خرچ زیادہ ہوتا ہے۔ (۳)۔ بعض مدرسین اور طلباء باہر سے چھ چھ میل بلکہ دس دس میل سفر کر کے مدرسہ آتے ہیں۔ واپسی میں ۱۲ بجے بعض سائیکلوں اور کوئی بس کے ذریعہ اپنی اقامت گاہ جاتے ہیں جس میں مالی جانی دونوں طرح نقصان ہوتا ہے۔ بس میں جانے والے انتظار میں خشک ہو جاتے ہیں۔ (۴)۔ آج کل فیشن کا زمانہ ہے لوگ بغیر استری کے کپڑے استعمال نہیں کرتے۔ طلباء بھی اس مرض میں مبتلا ہیں۔ اسی طرح ترکاری اور چائے پکانے کیلئے ہیٹر وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ اس کا بوجھ بھی مدرسہ کی بجلی پر ہوتا ہے۔ (۵)۔ مدرسہ کے کمروں میں تو اکثر مدرسہ کی طرف سے پنکھے لگے ہوتے ہیں جس کمرہ میں نہ ہو تو وہاں طلباء ذاتی پنکھے استعمال کرتے ہیں۔ پنکھے چلتے ہیں خواہ کمرہ میں کوئی موجود ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح بلب۔ (۶)۔ بعض اساتذہ بھی کسی اور جگہ خطیب یا امام یا کہیں اور جگہ ان کا گھر ہوتا ہے جس کیلئے وہ مجبوراً ۱۲ بجے واپس چلے جاتے ہیں جو مالی جانی خطرہ سے خالی نہیں۔ (۷)۔ باقی رہا دورہ تفسیر وغیرہ تو وہ ایک اختیاری چیز ہے۔ جس کی ہمت ہو تو گرمیوں میں پڑھ لے ورنہ ہر مدرسہ میں تفسیر اور ترجمہ کیلئے عصر کے بعد ایک گھنٹہ ماہر استادوں کے حوالہ کیا جائے۔ تفسیر و ترجمہ میں تو فرق نہیں ہے صرف لہجوں کا فرق ہے۔

فقط والسلام: المرسل مولوی فضل غنی، فاضل دیوبند، موضع میاں خان، ضلع و تحصیل مردان

محترمی ومکرمی جناب راشد الحق سمیع حقانی زید مجدکم العالی۔ مدیر ماہنامہ الحق

سلام مسنون! امید ہے مزاج عالیہ بخیر ہوں گے۔

"الحق" جولائی ۱۹۹۹ء کا پرچہ میرے سامنے ہے۔ اداریہ پڑھ کر یہ چند سطور تحریر کر رہا ہوں بے ادبی اور گستاخی معاف۔ کاش لکیر کے فقیر حضرات آپ کے مشوروں پر آج سے ۱۰ سال قبل عمل کرتے اور دس سال قبل آپ آج کیطرح ایڈیٹر "الحق" ہوتے۔ اور اپنے اس اداریہ کے توسط سے جون' جولائی جیسے جھلسا دینے والے مہینوں میں ان بندگان خدا' مظلوم و مجبور طبقے (طالبانِ علوم دینیہ) کیلئے ان مہینوں میں چھٹیوں کا مطالبہ کرتے۔ افسوس بہت تاخیر ہوئی ہے۔ چلو تاخیر سہی لیکن اس "نظامی" نظام میں بات کرنے کی جرأت اور جسارت کی توقع بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کو نصیب فرمائی۔ یہ اناوالی بات نہیں ہے خذ ما صفا ودع ما کدر والی حقیقت ہے آخر ہم تو آج تک یونان ایتھنز اور سپارٹا کے بزرگوں کے ۲ + ۲ = ۴ والی منطق کو یاد کرتے چلے آرہے ہیں اگر اس میں قباحت نہیں تھی تو اس میں کیا حرج ہے۔ اللہ کرے کہ نظام وفاق کے اہل حل وعقد آپ کی پکار کے ساتھ لبیک بلند کریں۔ امام شاہ ولی اللہؒ' امام غزالیؒ جان ڈیوی' فروبل' مانٹی سوری ما قبل ذکر دو بزرگوں کے علاوہ مسلمان نہیں تھے۔ لیکن سب عندالجمہور مانے ہوئے ماہرین تعلیم ہیں ان کے پیش کردہ اصول فطرۃ سے متصادم ہیں نہ نفس الامر کے پیش آمدہ واقعات سے۔ اللہ کرے کہ آپ کا یہ انقلابی' جہادی اور اصلاحی سلسلہ تادیر جاری وساری ہو۔ (آمین)

والسلام: آپ کا بھائی: محمد رحیم حقانی' مدرسۃ البنات سیدہ شاہدہ خاتون رضویؒ ڈیر

محترم مدیر صاحب زید مجدکم

ماہنامہ الحق کے جون / جولائی کے شماروں میں اکیسویں صدی اور عالم اسلام کے چیلنجز کے عنوان پر خصوصی نمبر نکالنے کا اشتہار اور اس کے عنوانات نظر نواز ہوئے یقین جانئے کہ اس سے دل ودماغ کو جو خوشی حاصل ہوئی وہ بیان سے باہر ہے اس لئے کہ دینی صحافت اور خصوصاً دینی مدارس کے ترجمان مجلّات نہ صرف موجودہ حالات اور عالمی صورتحال سے باخبر ہیں بلکہ اس کے مطابق موجودہ چیلنجز کا مقابلہ کرنے کیلئے ان کے ساتھ فکر بھی ہے۔ مجھے امید ہے ماہنامہ الحق کا یہ نمبر انشاء اللہ دیگر نمبرات کیطرح ایک حوالہ جاتی دستاویز ہوگا۔ عنوانات کا انتخاب بھی انتہائی دلچسپ ہے اور آپ حضرات نے اس کو انتہائی عرقریزی سے تیار کیا ہے۔ میری طرف سے مبارکباد قبول فرمائیں۔

والسلام: محمد ساجد ساکن بریڈفورڈ' انگلینڈ

وحدت رمضان اور عیدین کے بارے میں مشاہیر امت کی آراء

کچھ عرصہ قبل ماہنامہ الحق نے وحدت رمضان اور عیدین کے بارے میں ایک استفتاء شائع کیا تھا کہ کیا اس پر اتفاق ممکن ہے کیونکہ یہ عالم اسلام کا ایک اہم اور متنازعہ مسئلہ ہے۔ اس سلسلہ میں دارالعلوم حقانیہ کی یہ کوشش ہے کہ امت مسلمہ کم از کم اس مسئلہ پر تو اتفاق اور اتحاد کا مظاہرہ کرے۔ گذشتہ نو ماہ سے اس مسئلہ پر بحث جاری ہے۔ اس کے ساتھ ہمیں اُمت مسلمہ کی مشاہیر علماء اور مفتیان کی طرف سے کافی حوصلہ افزاء آراء موصول ہوئی ہیں جن میں سے بعض نظر قارئین ہیں۔ (ادارہ)

دارالافتاء دارالعلوم کراچی الجواب حامداً و مصلیاً

حنفیہ کے اصل مذہب میں اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے' اس لئے ایک جگہ کی رؤیت سے پورے عالم اسلام میں روزہ رکھنا اور عید کرنا جائز ہے اور موجودہ حالات میں اس اصل مذہب پر عمل کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔ البتہ اس میں دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ جس جگہ کی رؤیت کا اعتبار کیا جارہا ہے وہاں رؤیت کا ثبوت شرعی ضابطہ شہادت (جسکی مکمل تفصیل کتب فقہ میں ہے) کے مطابق ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ خبر دوسرے شہروں میں طریق شرعی سے پہنچے' طریق شرعی یہ ہے کہ دو آدمی آکر یہ گواہی دیں کہ ہم نے خود چاند دیکھا ہے یا یہ گواہی دیں کہ ہمارے سامنے فلاں شہر کے قاضی نے چاند دیکھنے کی شہادت قبول کر کے چاند ہوجانے کا فیصلہ کیا ہے یا خبر مستفیض ہوجائے۔ اگر یہ دو شرطیں پائی جائیں تو اختلاف مطالع کے غیر معتبر ہونے کی بنیاد پر دنیا بھر میں رمضان و عید ایک دن ہونے کا انتظام ممکن ہے۔ بشرطیکہ اسلامی حکومتیں اس پر متفق ہو کر مذکورہ بالا شرائط پوری کرنے کا اہتمام کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سید حسین احمد۔ دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۱۴۔ ۲۴۔ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح۔ احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی :

سماحۃ الشیخ مفتی غلام قادر نعمانی زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ! امابعد

فقد وصلت الی رسالتکم القیمة المکتوبة فی مسئلة توحید الصوم والعید فی جمیع الممالک الإسلامیة وسررت جداً بتحقیقاتکم الثمنیة فنحن متفقون معکم فی هذه المسئلة ونسئل الله تعالیٰ ان یوفق العالم الإسلامی وعلماء الإسلام علی هذه المسئلة وکتب علی هذا الموضوع بعض العلماء قبلکم ولکن ماالتفت احدالی هذه المسئلة وحقیق بان یتوجه الیها العلماء ۔ والسلام ۔اخوکم فی الدین مفتاح الله عفی عنه

مدرس جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن نگران مدرسۃ تعلیم الاسلام گلشن عمر سہراب گوٹھ

٦-رمضان المبارک١٤١٩ھ

دار الافتاء جامعہ قاسم العلوم' ملتان' پاکستان

صحیح اور مختار مذہب کے موافق اختلاف مطالع ہلال صوم وفطر میں معتبر نہیں یہی راجح اور معتبر اور ظاہر الروایۃ کے موافق ہے۔ واختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاهر المذهب وعلیه اکثر المشائخ وعلیه الفتوی بحرعن الخلاصه ہمارے لئے فقہائے محققین کی رائے گرامی ہی حجت تامہ ہے۔ فقط۔ حررہ منظور احمد' مفتی جامعہ قاسم العلوم ملتان

دار الافتاء ادارہ منہاج القرآن' ماڈل ٹاؤن لاہور

محترم غلام قادر نعمانی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ! نہ صرف شوافع بلکہ دیگر مسالک فقہ میں بھی بلاد بعیدہ (جو شرقاً غرباً بعید ہوں) میں اختلاف مطالع معتبر ہے۔ لہٰذا تمام دنیا میں توحید الصوم والاعیاد کے بارے میں آپ کا پیش کردہ تصور ممکن نہیں۔ سعودی حکومتی رؤیت ہلال میں رؤیت کا مفہوم رؤیت بالبصر کی بجائے رؤیت بالبصیرت مراد لیتی ہے یعنی قرائن کو رؤیت کے قائمقام قرار دیتی ہے۔ یہ ایک بلادلیل تحقیق ہے۔ جس پر عمل کی وجہ سے سعودیہ مین رمضان' عیدین اور بالخصوص حج غلط

تاریخوں میں منعقد ہوتے ہیں اور اس غلط روش کی وجہ سے اسلام کی جگ ہنسائی بھی ہوتی ہے۔ لہذا اگر محض سعودی حکومت تحقیقی شرعی سے اغماض ترک کر کے رؤیت ہلال کے نبوی حکم کو جو متواتر احادیث سے ثابت ہے بحال کر دے تو روزوں اور عیدین میں دو دن کا فرق ایک دن میں سمٹ آئے گا۔ یعنی پوری دنیا میں قمری تاریخ ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر تبدیل ہونے لگے گی۔ اگر توحید الصوم والاعیاد سے آپ کی مراد اختلاف تاریخ قمری کو ۲۴ گھنٹے سے کم مدت میں لانا ہے تو یہ ممکن ہے اور ہم اس کی بھرپور تائید کرتے ہیں۔ والسلام

مفتی عبد القیوم خان صاحب۔ ادارہ منہاج القرآن' لاہور

خلاصہ : ڈاکٹر عدنان علی الفراجی الجامعہ الاعظمیہ بغداد' عراق

الاستاذ مفتی غلام قادر نعمانی (اکرمہ اللہ)۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! میں اللہ تعالیٰ کی حمد ادا کرتا ہوں اور آپ کے لئے دعا گو ہوں کہ اللہ آپ کو اسلام اور مسلمین کی خدمت کا موقع میسر فرمادیں۔ آپ کا مکتوب گرامی موصول ہوا۔ میں نے بغور مطالعہ کیا اور آپ کے انداز بیان نے مجھے حیران کیا۔ آپ نے جو تمنا ظاہر کی ہے یہ وقت کا اہم تقاضا ہے اور ہر وقت اور ہر عمل میں مسلمانوں کا اتفاق اور اتحاد محمود اور قابل ستائش ہے اور اختلاف و تفریق مذموم ہے۔ رؤیت ہلال کے بارے میں اسلام نے واضح بیان کیا ہے کہ مسلمان عادل' عاقل' بالغ کی گواہی پر روزہ رکھنا اور عید منانا بھی جائز ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کا یہی ارشاد کہ رؤیت پر روزہ رکھو اور عید مناؤ۔ آپ نے جو رائے پیش کی ہے۔ یہی صواب اور حق ہے اور ہم اسکی تائید کرتے ہیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ کسی ایک شہر کی گواہی عالم اسلام کیلئے کافی ہے۔ ہر شہر میں رؤیت کی ضرورت نہیں۔ خدا کرے کہ مسلمانانِ عالم اس بات پر متفق اور متحد ہوں۔

الفقیر الی اللہ

(الدکتور) عدنان علی کرموش الفراجی

مدینۃ الاعظمیۃ جوار الامام الاعظم۔

بغداد' العراق۔ ۹۔ شوال ۱۴۱۹ھ

جناب حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب
استاذالحدیث جامعہ دارالسنۃ نہیلہ چاٹگام بنگلہ دیش وناظم اعلیٰ جمعیۃ خالد بن ولیدؓ الخیریہ ارکان برما

روہنگیا کے پناہ گزینوں کا حال زار

یہ بد قسمت روہنگیا پناہ گزین دو ٹولیوں پر بٹا ہوا ہے۔ ایک ٹولی کو بین الاقوامی یو۔ ایس۔ ایچ۔ سی۔ آر۔ کے رجسٹریشن کی حیثیت حاصل ہے۔ انکے کچھ احوال یہ ہیں۔

سکونت : جس طرح کی جھونپڑیوں میں انہیں بسایا گیا ہے۔ انسان تو کجا انسانوں کے پالتو جانوروں کو بھی ایسی جھونپڑیوں میں نہیں رکھا جاتا۔ گرمیوں کے موسم میں آتشکدہ کی طرح گرم ہوتی ہیں۔ گرمی کیوجہ سے عام پناہ گزینوں کے تمام بدن کھر درائینی کا شکار ہو چکے ہیں۔ پھوڑے پھنسی سے تمام پناہ گزین پریشان ہیں۔ برائے نام علاج سے ان کا دفعیہ نہیں ہو جاتا۔

خوراک : انہیں اب یو۔ این۔ ایچ۔ سی۔ آر۔ اور بنگلہ سرکار کے کارکنان کی ملی بھگت سے اتنی کم خوراک دیجاتی ہے کہ کس طرح قدر کفاف نہیں ہوتا۔ جن گھرانوں میں چھوٹے بچے کم ہیں۔ سب یا زیادہ بڑے آدمی ہیں انہیں ہفتہ کیلئے دی ہوئی راشن ناکافی ہو کر اور کہیں سے بقدر ضرورت خوراک بطور خود خرید کر مہیا کرنا پڑتا ہے۔ جہاں نہ کمائی نہ روزگار بعض غریب گھرانوں کو ہفتہ میں کچھ دن فاقہ بھی کرنا پڑتا ہے۔

علاج معالجہ : چونکہ خوراک غیر مناسب دیجاتی ہے اور ہجوم سے بعض اوقات غیر قابل تحمل تعفن بھی پھیل جاتا ہے جن سے مختلف قسم کے امراض خصوصی طور پر ملریا، ڈاریا وغیرہ کے علاوہ امراض شکم و جلدی بیماریاں بہت جلد پھیل جاتی ہیں ان کے علاج کیلئے با قاعدہ اور مکمل کوئی انتظام نہیں جو کچھ برائے نام علاج کا انتظام ہے اس سے کفایت نہیں ہوتا۔ لہذا پناہ گزینوں میں اموات کثرت سے واقع ہوتی ہیں اور زندہ لوگ بھی نیم جان و ادھ موا ہو کر رہ گئے ہیں۔

تعلیم وتربیت: پناہ گزینوں کے نو عمر بچوں کی تعلیم وتربیت کا کوئی انتظام سرکاری یا غیر سرکاری طور پر نہیں ہے۔ یہ سخت جان روہنگیا قوم بطور خود کچھ کچھ اپنی خوراک وغیرہ سے بچاکر اکاڈکا دینی ودنیوی تعلیم کے کچھ ابتدائی مکاتب کھولے ہیں۔ اس پر یو۔ ایس۔ ایچ۔ سی۔ آر۔ یا بنگلہ سرکار کی حوصلہ افزائی وامداد وتعاون تو دور کی بات ہے کبھی کبھی اس پر بھی غضب ڈھادیتی ہے۔ کوئی تنظیم وغیرہ اگر ایسے مکاتب کی امداد کرنا چاہتی ہے اس پر بھی بعض اوقات داروگیر ہوتی ہے اور ظاہری طور سے امداد نہیں کرنے دی جاتی۔ اس لئے پناہ گزینوں کے معلمین حضرات مایوسی سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ یہاں پر موجودہ پناہ گزینوں کے کیمپوں میں اس طرح خفیہ طور پر ہماری جمعیۃ خالد بن ولید الخیریہ کی طرف سے بھی بہت سے اسلامی تعلیم کے مکاتب وابتدائی مدارس میں کبھی نقود کی صورت میں کبھی کتب وقرآن مجید کی تقسیم کی صورت میں امکانی امداد واعانت سے انکی حوصلہ افزائی کیجاتی ہے مگر ہمیں اقرار ہے کہ انکی ضروریات کی تکمیل نہیں ہوپاتی۔ اوران کی سینکڑوں درخواستیں اب بھی جمعیۃ میں اٹی ہوئی ہیں مگر مالی کمزوری کیوجہ سے جمعیۃ انہیں پورے طور سے مطمئن نہیں کرپاتی۔ مسبب الاسباب جمعیۃ کو مالی وسعت عطا فرمائے۔

لباس پوشاک: یہ ایک تعجب خیز ومضحکہ خیز بات ہے کہ ان مظلوم نہتے پناہ گزینوں کو نہ سرکار کی طرف سے کبھی لباس وپوشاک کے کپڑے ملتے ہیں اور نہ یو۔ ایس۔ ایچ۔ آر۔ کبھی پوشاک کا انتظام کرتی ہے۔ اگر کوئی تنظیم یا کوئی مخیّر ہمدرد معطی کچھ دیتا ہے تو وہ بھی چوری چھپے دینا ہوتا ہے۔ یا سرکاری تحویل میں حوالہ کر کے دینا پڑتا ہے۔ پہلی صورت میں سرکاری دباؤ سے نہیں دیا جاسکتا۔ اور دوسری صورت میں سب سرکاری عملہ کے نذر ہو جاتی ہے۔ برائے نام کچھ دوچار آدمیوں کو دیکر بس کیا جاتا ہے۔ خدا معلوم یہ عادت کیوں ہے؟ بعض نادار مرد عورتیں ایسی بھی دیکھی گئی ہیں کہ الامان۔ اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ پھر ایسی حالات نہ دکھائے۔ اس میں پوشاک رسانی کی بہت ضرورت ہے۔ بعض اوقات کچھ کپڑے جمعیۃ کو مل جاتے ہیں تو متذکرہ بالا طریقہ پر یہ کپڑے ان میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی یہ مشکلات حل فرمادے۔ (آمین)

غیر رسمی روہنگیا پناہ گزین

ملک برما میں مسلم کش پالیسیوں کے تحت جلاوطنی ہر وقت جاری رہتی ہے۔ قانونی حیثیت سے ایک علاقے کے باشندے دوسرے علاقوں میں حسب دلخواہ بودوباش کرنے کے قانونی مجاز نہیں ہوتے۔ اس لئے جلاوطنی پر انہیں برما کو ہی الوداع کرنا ہوتا ہے۔ اولاً تو یہاں بنگلہ دیش میں داخلہ ہی ممنوع ہے اگر سرکاری عملہ کے ہاتھوں لگ گئے تو تمام اموال چھین کر پھر برمی ظالم حکام کے سپرد کردیتے ہیں جو انہیں جیلوں میں ٹھونس کر مروا دیتے ہیں۔ اور بچ بچا کر اگر بنگلہ دیش کے داخلہ میں کامیاب ہوگئے تو بنگلہ دیشی سرکار انہیں پناہ گزین رجسٹریشن نہیں دیتے' اسی لئے انہیں پہاڑیوں میں' جنگلوں میں یا بطور خود کسی جنگلی بستیوں میں پناہ گزین ہونا پڑتا ہے۔ انہیں نہ گھر میسر نہ خوراک و پوشاک کا انتظام اور نہ علاج و معالجہ کا بندوبست۔ یوں ہی زمین پر کہیں جنگلی بانسوں کے چھپر ڈال کر یا کہیں پلاسٹک سے جھونپڑی بنا کر کسی بنگلہ دیشی کے رحم و کرم پر ایسے گھروں میں پناہ گزین ہوتے ہیں۔ ایسے پناہ گزین بھی کئی لاکھ سے کم نہیں ہیں۔

برما کی فوجی حکومت کا ایک اور مسلم کش کارنامہ : ہزارہا گھرانوں کو اپنے گھروں اور بستیوں سے بے دخل کر کے جلاوطنی پر مجبور کردیا گیا۔ علاقہ بوتھیدنگ کے مشہور روہنگیا بستی تھامنچونگ کو روہنگیا باشندوں سے خالی کرالیا گیا۔

یوں تو نصف صدی سے اراکان و برما کے مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے جارہے ہیں۔ وہ ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اب چند سالوں سے شمالی مغربی ارکان کے روہنگیا علاقوں میں مسلم مٹاؤ پالیسی پر جس طرح عمل ہورہا ہے وہ ایک دم نرالا ہے۔ آبادکاری کے نام پر کہیں زمینیں چھین لیجاتی ہے اور ان زمینوں پر غیر روہنگیا غیر مسلم بستیاں بسا دیجاتی ہیں اور باقی زرعی زمینیں ان پر تقسیم کردیجاتی ہے اور متاثرہ روہنگیا قوم کو متبادل کوئی انتظام نہیں کردیتے اور کہیں فوجی کیمپ بنانے کے بہانے سے بستیاں اوجھاڑ دیجاتی ہیں۔ چنانچہ اس سے پہلے بوتھیدنگ شہر کے قریبی نواحی علاقے لاوادنگ اور جنوبی تھامنچونگ وغیرہ کو فوجی کنٹونمنٹ بنانے کے بہانے چھین لیے گئے اور وہاں کے روہنگیاں باشندوں کو جلاوطنی پر مجبور کردیا گیا انہی سے پناہگزینی قانون کی ابتداء ہوئی۔ اب باقماندہ تھامنچونگ بستی تقریباً پانچ سو گھرانوں سے بستی خالی کرالی گئی۔ انہیں گھر بنانے کیلئے زمین نہیں دی گئی اور یہ کھلے آسمان کے نیچے پہاڑوں کے دامنوں میں بسے ہوئے ہیں اور کچھ دیگر علاقوں میں جلاوطن ہوکر چلے گئے ہیں۔

دار العلوم کے شب وروز

مولانا محمد ادریس حقانی

ایوان شریعت میں تقریب انعامات کا انعقاد :

گزشتہ ہفتہ دار العلوم کے خوبصورت دار الحدیث اور عظیم الشان ایوان شریعت ہال میں ایک باوقار تقریب کا انعقاد کیا گیا۔اس تقریب میں سہ ماہی امتحان میں پوزیشنیں حاصل کرنے والے خوش قسمت طلباء میں انعامات تقسیم کیے گئے۔اور درجہ اولیٰ سے لیکر درجہ تخصص تک ساڑھے پانچ سو کتابوں کے سیٹ دیے گئے۔نائب مہتمم حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ نے تقریب میں نظامت کے فرائض انجام دیں۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے طلباء کو امتیازی پوزیشن حاصل کرنے پر انعامات تقسیم کیے۔اس موقع پر دار العلوم کے تمام مشائخ اور اساتذہ کرام بھی موجود تھے۔حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے امتحانات اور وقت کی اہمیت پر مفصل خطاب فرمایا۔

انہوں نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ قوم وملک اور ملت اسلامیہ کی نگاہیں اب اسلامی علوم کے طالبان پر لگی ہوئی ہیں۔ملک اور اسلامی دنیا کو پٹھو اور غدار حکمرانوں کے شکنجوں سے نجات دلانے کیلئے بالآخر دینی علوم کے طلباء کو میدان میں اترنا ہوگا۔پاکستان کو جس قسم کی غداری کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس کیلئے بھی پاکستانی طلباء کو طالبان افغانستان کا کردار ادا کرنا چاہیئے۔ مولانا مدظلہ نے فرمایا کہ جب تک ملک کو امریکہ اور یہودیوں کی غلامی اور ان کے کرایہ دار ایجنٹ حکمرانوں سے نجات نہیں دلائی جائیگی کارگل اور کشمیر جیسے حادثات بار بار پیش آتے رہینگے۔اس کا مقابلہ اللہ کی جانباز اور جہاد کیلئے مر مٹنے والے جوان ہی کر سکتے ہیں۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ نواز کلنٹن معاہدہ نہیں بلکہ اعتراف جرم اور معافی نامہ ہے جسے کلنٹن کے قدموں میں رکھ دیا ہے۔ کیونکہ معاہدہ میں نہ بھارت کو فریق بنایا گیا ہے اور نہ امریکہ کو۔ایسے جبری اقرار نامہ اور توبہ نامہ کو معاہدہ کہا ہی نہیں جاسکتا۔انہوں نے تمام جہادی تنظیموں سے اپیل کیا کہ وہ مقبوضہ علاقہ کو ہرگز خالی نہ کریں۔اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید ان کے ساتھ رہے گی۔

تقریب میں جمعیت علماء اسلام پنجاب کے امیر حضرت مولانا بشیر احمد شاد، ضلع بہاولنگر کے جنرل سیکرٹری مولانا محمد یوسف قریشی، جمعیت کے مرکزی سیکرٹری مولانا عبدالخالق مناظر اہل سنت مولانا عبدالستار تونسوی کے چھوٹے فرزند مولانا محمد عمر فاروق بھی موجود تھے۔ مہمانوں نے تقریب کے بعد قائد محترم سے جمعیت علماء اسلام اور ملکی حالات کے بارے میں تفصیلی مشورے کیے۔ تقریب شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفور اللہ صاحب کی دعا پر اختتام پزیر ہوئی۔

افغان کونسلر مولانا نجیب اللہ کی دارالعلوم آمد :

گذشتہ دنوں تحریک طالبان افغانستان کے رہنما اور پاکستان میں امارت اسلامیہ افغانستان کے نامزد کونسلر جناب مولوی نجیب اللہ صاحب دارالعلوم تشریف لائے۔ آپ نے مجاہدین اور تحریک طالبان کے اس عظیم مرکز میں کئی گھنٹے گزارے۔ انہوں نے مدیر الحق مولانا راشد الحق حقانی، مولانا سید یوسف شاہ صاحب اور دارالعلوم کے مدرس مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی صاحب سے ملاقات کی۔ اور اسامہ بن لادن اور افغانستان پر متوقع حملہ کے متعلق تبادلہ خیال کیا۔ ملاقات میں جمعیت علماء اسلام کے مرکزی رہنما میاں عارف ایڈووکیٹ اپنے چند رفقاء کے ساتھ موجود تھے۔

دارالمطالعہ میں طلبہ کا تحریری مقابلہ :

الحمد للہ جب سے دارالعلوم میں دارالمطالعہ کا افتتاح ہوا ہے طلباء اس میں بڑے ذوق و شوق سے مختلف رسائل و جرائد اور کتب بینی میں دلچسپی لے رہے ہیں چونکہ اس کے اصل اھداف میں ایک بات یہ بھی تھی کہ طلباء کی تحریری استعداد کو اجاگر کیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے خاطر ان کو مختلف موضوعات دیئے گئے اور انہوں نے توقع سے بڑھکر اس مقابلہ میں حصہ لیا۔ اب انشاء اللہ جانچ پڑتال کے بعد اول، دوم اور سوم آنیوالوں کو دارالعلوم کی طرف سے انعامات دیئے جائیں گے۔ اس قسم کے مقابلوں سے طلباء میں مزید مطالعہ اور کتب بینی کا ذوق بڑھتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
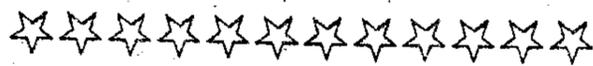
مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب
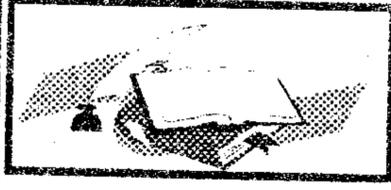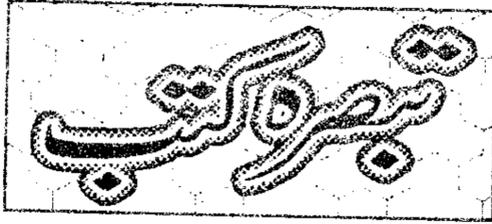
فکر و نظر خصوصی اشاعت : بر صغیر میں مطالعہ قرآن (اپریل / جون)

زیر ادارت :ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمان۔ ضخامت : ۳۹۶ صفحات ۔ قیمت : ۱۰۰ روپے

پتہ : شعبہ مطبوعات ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈائریکٹر جنرل محترم ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری صاحب نے بر صغیر میں مطالعہ قرآن کی کوششوں کا جائزہ لینے اور علمی حلقوں کو اس سے متعارف کرانے کیلئے ۲۸ اپریل تا یکم مئی ۹۷ء ادارہ تحقیقات اسلامی کے زیر اہتمام ایک چار روزہ سیمینار کا اہتمام کیا تھا جس میں ملک بھر کی جامعات دینی مدارس اور دیگر علمی حلقوں کے محققین نے کافی تعداد میں شرکت فرمائی تھی اور تقریباً تئیس (۲۳) مقالات پڑھے گئے تھے۔ زیر تبصرہ مجلّہ ان تئیس مقالات میں سے ۱۶ مقالات پر مشتمل ہے جس میں تین ابواب ہیں۔ باب اول علوم القرآن' باب دوم اردو تفاسیر اور مفسرین جبکہ تیسرا باب مخطوطات کے متعلق ہے۔

مضامین اور موضوعات کے عنوانات سے مجلّہ کی افادیت کا پتہ چلتا ہے۔ فاضل مقالہ نگاروں نے انتہائی عرق ریزی سے موضوع کی مطابق مباحث کا احتواء کیا ہے اور اس مجلّہ میں شامل ہر مقالہ قابل مطالعہ اور معلومات آفرین ہے۔ اصل کتاب کلام الٰہی تو عربی زبان میں نازل ہوئی چونکہ اس کے اولین مخاطبین عرب تھے اور عربی زبان کے علاوہ دنیا کی تقریباً تمام اہم زبانوں میں اس کی تفسیریں اور مختلف تراجم منصّہ شہود پر جلوہ گر ہوئیں۔ لیکن عربی کے بعد اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ قرآنی علوم و معارف کا بیش بہا ذخیرہ اردو زبان میں ہے تو یہ مبالغہ آرائی نہ ہوگی۔ زیر تبصرہ مجلّہ میں بر صغیر میں مطالعہ قرآن کے حوالہ سے اس موضوع پر گرانقدر مواد یکجا کیا گیا ہے جو کہ عدم القرآن میں ایک بیش بہا قیمت اضافہ ہے۔ خصوصی اشاعت کا یہ شمارہ تقریباً ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور معنوی خوبصورتی کے ساتھ ساتھ ظاہری حُسن اور دیدہ زیب طباعت سے آراستہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

السیرۃ العالمی ششماہی ربیع الاول ۱۴۲۰ھ / جون ۹۹ء مدیر: سید فضل الرحمان صاحب۔
ضخامت: ۳۲۸ صفحات۔ قیمت: ۸۰ روپے۔
ناشر: زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، اے۔۴/۱۷، ناظم آباد نمبر ۴۔ کراچی نمبر ۱۸۔

دور حاضر میں سیرت طیبہ سے استفادے کی جتنی ضرورت تھی اتنی ضرورت شاید اب سے پہلے کبھی نہ تھی۔ کیونکہ آج انسانی معاشرہ اور انسانیت تنزل اور انحطاط کی جن وادیوں میں بھٹک رہی ہے اس کیلئے ضروری ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ اور سیرت طیبہ سے مکمل وابستگی اختیار کریں تب ہی ہمیں دنیاو آخرت کی حقیقی خوشیصیب ہو گی۔ ایسے دور انحطاط میں السیرۃ کے عنوان سے رسالے کا اجراء نہایت ہی خوش آئند اقدام ہے۔ مجلّہ کے مدیر جناب حافظ سید فضل الرحمان صاحب کو اللہ تعالیٰ نے تفسیر قرآن اور سیرت طیبہ کے ساتھ شغف کا قابل رشک ذوق عطا فرمایا ہے اور یہ ذوق آپ کو اپنے والد گرامی قدر مولانا سید زوار حسین شاہ نقشبندی سے ملا ہے۔ زیر تبصرہ مجلّہ السیرۃ العالمی ششماہی کا پہلا شمارہ ہے جو کہ سیرت رسول ﷺ کے متعلق مقالات اور مضامین کا مجموعہ ہے۔ مدیر محترم پیغام سیرت کے زیر عنوان رقمطراز ہیں "کچھ عرصہ سے مستشرقین کو مسلمانوں کے مذہبی اور علمی معاملات میں مداخلت کا موقع مل رہا ہے اور وہ اپنے مخصوص مفادات و مقاصد کے تحت ان سرگرمیوں میں مصروف ہیں جو اسلامی تعلیمات کو غلط انداز سے پیش کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے مابین اختلافات پیدا کرنے کا بھی باعث ہیں۔ نیز اسی ہمہ ہمی میں ایسے متجددین بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کی کاوشیں اسلام کے حق میں جانے سے زیادہ اس کیلئے ضرر رساں ثابت ہوتی ہیں یہ صورت حال کسی بھی درد مند مسلمان کیلئے قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اس کے سدباب کا علمی انداز یہی ہے کہ مسلم مفکرین اور اہل قلم محققین کو ایسا پلیٹ فارم مہیا کرا دیا جائے جہاں وہ اسلامی محاذوں پر اپنی خدمات انجام دے سکیں۔ السیرۃ العالمی اسی سمت ایک ادنیٰ کوشش ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پرچہ کو مقبولیت عامہ سے نوازے۔ اور عامۃ المسلمین کے پرمغز مضامین سے بہرہ ور ہو کر اپنی زندگیاں سیرت رسول ﷺ کے مطابق بسر کر سکیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

المیزان سہ ماہی اسلام آباد، شمارہ نمبر ۴۔ ۵۔ مدیر اعلیٰ : محمد امین شہیدی۔

قیمت فی شمارہ : ۳۵ روپے۔ رابطہ : P.O:۱۴۳۷ اسلام آباد

مملکت عزیز پاکستان میں مجلّات ورسائل ہفت روزوں، ماہناموں اور سہ ماہی رسالوں کی شکل میں سینکڑوں کی تعداد میں نکلتے ہیں۔ ان میں سے بعض دینی رسائل اور جرائد ہیں لیکن اس میدان میں دینی صحافت کے حوالے سے ٹھوس اور تحقیقی کام کی ضرورت تاہنوز باقی ہے اور ایسے مجلّات وجرائد کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے جس میں ریسرچ و تحقیق اور مضبوط علمی بنیادوں پر کام ہورہا ہو۔ اب الحمدللہ کچھ عرصہ سے ہمارے ارباب علم ودانش نے اس طرف توجہ دی ہے اور اس سلسلہ کی ایک کڑی "المیزان "اسلام آباد ہے جو کہ ظاہری حسن وخوبی کے علاوہ مضامین کی ندرت تنوع اور تحقیق وریسرچ کے لحاظ سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ تبصرہ لکھتے وقت راقم کے پاس اس کے دو پرچے شمارہ نمبر ۴ اور نمبر ۵ ہے۔ تعارف تفاسیر میں ڈاکٹر محمد طفیل کا تحقیقی مقالہ تفسیر بیضاوی پر حاشیہ سیالکوٹی اہم مضمون ہے۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک کا وحی کی حقیقت ایک جائزہ اور جناب ثاقب اکبر کا دل کی حقیقت قرآن کی نظر میں اسی طرح شمارہ نمبر ۵ کے مضامین میں اہل ذوق کی علمی تسکین کیلئے معتدبہ سامان موجود ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی محدثانہ حیثیت۔ تالیف : مفتی حفیظ الرحمان صاحب۔ ضخامت : ۱۹۰ صفحات

قیمت : درج نہیں۔ دارالتصیف والتالیف دارالعلوم سعیدیہ اوگی ضلع مانسہرہ۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی فقہی شان اور محدثانہ حیثیت ومقام سے ایک دنیا واقف ہے یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام کا تین چوتھائی حصہ حضرت الامام کے مسلک کا پیرو ہے لیکن مقام افسوس ہے کہ بعض کج فہم تعصب کی اساس پر آپ کی شان رفیع کو گھٹانے کی سعی نامشکور میں مشغول ہیں اس لئے ہر دور میں علماء کرام نے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے بارے میں مخالفین کے بے بنیاد پروپیگنڈہ کا مؤثر جواب دیا ہے۔ زیر تبصرہ رسالہ درحقیقت دوسری بنوں فقہی کانفرنس کیلئے بطور مقالہ لکھا گیا تھا۔ بعد میں اس میں مؤلف نے مزید اضافہ جات کرکے اس کو کتابی شکل دیدی۔ فاضل مؤلف نے اختصار اور جامعیت کے ساتھ موضوع کے متعلق مباحث احتواء کیا ہے۔